



NAZMHUB

نلی جھیل کا جادو

fantasy

مکمل کتاب - تمام 12 اقساط

اقساط کی فہرست

Pahaaron ke peechay chhupi ek neeli jheel — jiske paani
mein utarne wala kabhi waisa nahi rehta. Teen doston ki

.jadui adventure

1. قسط 1 — پہاڑوں کے پار نیلی جھیل
2. قسط 2 — جھیل کا راز
3. قسط 3 — آزمائش
4. قسط 4 — تارے کا مسافر
5. قسط 5 — بڑی ماہم کا سوال
6. قسط 6 — بلاہٹ اور جانے کی قیمت
7. قسط 7 — نام کی قیمت
8. قسط 8 — چراغ اور چاند
9. قسط 9 — نام کے بدلے نام
10. قسط 10 — آسمان کی شرط
11. قسط 11 — بھوک کی آنکھیں
12. قسط 12 — نام کی جیت

قسط 1 — پہاڑوں کے پار نیلی جھیل

گرمیوں کی چھٹیاں شروع ہوئے ابھی پورے دو مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ زویار کے دماغ میں وہی پرانا کیرا پھر سے کلبلائے لگا تھا۔ کوئی نئی مہم، کوئی ان دیکھا راستہ، کوئی ایسا راز جسے آج تک کسی نے نہ کھولا ہو۔

سولہ سالہ زویار ایسا ہی تھا۔ اس کے دوست کہتے تھے کہ اس کے پاؤں میں چیونٹیاں ہیں۔ وہ ایک جگہ ٹک کر نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ جبکہ سترہ سالہ ماہم اس کے بالکل برعکس تھی۔ کتابوں کی دیوانی، ہر چیز کو سوچ سمجھ کر کرنے والی۔ اور پندرہ سالہ بلال... بلال ان دونوں کے بیچ کا پل تھا۔ ہنسمکھ، وفادار، اور تھوڑا سا ڈرپوک۔ لیکن جب دوستوں کی بات آتی تو وہ اپنی ڈر کو جیب میں ڈال لیتا تھا۔

تینوں کی دوستی بچپن سے تھی۔ ایک ہی محلے میں پلے بڑھے تھے، ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ اور ہر گرمیوں کی چھٹیوں میں زویار کوئی نہ کوئی منصوبہ بناتا تھا۔ کبھی پرانی کوٹھی کی سیر، کبھی رات کو چھت پر تارے گننا، کبھی نالے کے پار جنگل میں خیمہ لگانا۔

لیکن اس بار کا منصوبہ مختلف تھا۔ اس بار بات دادا ابو کی کہانی کی تھی۔

یہ کہانی زویار نے پہلی بار اب سنی تھی جب وہ دس سال کا تھا۔ سردیوں کی ایک رات، بجلی گئی ہوئی تھی، اور دادا ابو صحن میں انگلیٹھی کے پاس بیٹھے تھے۔ زویار ان کی گود میں سر رکھے تھا۔

"دادا ابو، آپ نے کبھی کوئی جن دیکھا ہے؟" چھوٹے زویار نے پوچھا تھا۔

دادا ابونسے تھے۔ وہ گہری، گرم ہنسی جو ان کے سینے سے نکلتی تھی۔ "جن نہیں دیکھا، بیٹا۔ لیکن ایک چیز دیکھی ہے جو جن سے کم حیران کن نہیں۔"

"کیا؟"

دادا ابو کی آنکھیں دور کہیں دیکھنے لگیں تھیں، جیسے وہ ساٹھ سال چھپے چلے گئے ہوں۔ "جب میں تمہاری عمر سے تھوڑا بڑا تھا۔ شاید اٹھارہ انیس سال کا۔ تو میں اور میرا دوست رشید ان پہاڑوں میں شکار کے لیے گئے تھے۔ ہم راستہ بھٹک گئے۔ اور بھٹکتے بھٹکتے ہم ایک ایسی جگہ پہنچے جو کسی نقشے پر نہیں تھی۔"

"کیسی جگہ؟"

"ایک جھیل۔" دادا ابو کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔ "اتنی نیلی جھیل کہ میں نے اپنی زندگی میں ویسا رنگ کبھی نہیں دیکھا۔ پانی بالکل ساکن تھا، جیسے شیشہ۔ اور اس کے اوپر ہلکی دھند تیر رہی تھی۔"

"پھر؟"

"رشید نے اپنا ہاتھ پانی میں ڈالا۔" دادا ابو رکے تھے۔ انکیٹھی کی آگ ان کے چہرے پر ناچ رہی تھی۔ "میں نے اسے روکنے کی کوشش کی، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ پانی نے... پانی نے اس کا نام لیا، زویار۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا۔" چھوٹے زویار کی آنکھیں پھیل گئی تھیں۔ "پانی بول سکتا ہے؟"

"وہ پانی بول سکتا تھا۔" دادا ابو نے کہا تھا۔ "اور اس دن کے بعد رشید بدل گیا۔ وہ پہلے جیسا نہیں رہا۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں... ایک نیلا پن آگیا تھا۔ جیسے جھیل اس کے اندر اتر گئی ہو۔ کچھ مہینوں بعد وہ گاؤں چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔"

"آپ نے دوبارہ وہ جھیل ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟"

"کی تھی۔" دادا ابو نے سر ہلایا تھا۔ "کئی بار۔ لیکن وہ جگہ مجھے پھر کبھی نہیں ملی۔ جیسے وہ صرف ایک بار دکھائی دیتی ہے... یا جیسے وہ صرف انہیں دکھائی دیتی ہے جنہیں وہ بلانا چاہیے۔"

یہ کہانی زویار کے ذہن میں نقش ہو گئی تھی۔ سالوں تک وہ اسے ایک دلچسپ کہانی سمجھتا رہا۔ لیکن اس گرمیوں میں، جب چھٹیوں کی بوریت حد سے بڑھ گئی، تو یہ کہانی ایک منصوبے میں بدل گئی۔

"سنو!" زویار نے ایک شام ماہم کے گھر کے صحن میں بیٹھ ہوئے کہا، جہاں تینوں دوست حسبِ معمول جمع تھے۔ "میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔ ہم نیلی جھیل ڈھونڈنے جا رہے ہیں۔"

بلال نے اپنے چپس کے پیکٹ سے ایک چپس نکالتے ہوئے ہنسی دبائی۔ "کون سی نیلی جھیل؟ تمہارے دادا ابو والی افسانوی جھیل؟"

"وہ افسانہ نہیں ہے!" زویار نے احتجاج کیا۔ اس کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جو ہمیشہ کسی بڑے منصوبے سے پہلے آتی تھی۔ "دادا ابو نے مجھے نشانیاں بتائی تھیں۔ میں نے سب لکھ لیا ہے۔"

ماہم، جو اب تک خاموشی سے اپنی کتاب کے صفحے پر نظریں جمائے تھی، اب سر اٹھا کر بولی۔ "نشانیاں؟ کیسی نشانیاں؟"

زویار نے اپنی جیب سے ایک مڑا تر کاغذ نکالا۔ "تین دیودار کے درخت جو ایک ساتھ اگے ہیں۔ پھر ایک چٹان جو بیچ سے پھٹی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ایک تنگ درہ۔ اور درے کے اس پار..." اس نے ڈرامائی انداز میں توقف کیا، "...جھیل۔"

بلال نے چپس چباتے ہوئے کہا، "اور تمہارے دادا کے دوست کا کیا ہوا تھا؟ وہی جو پانی چھونے کے بعد بدل گیا تھا؟"

زویار کا جوش ایک لمحے کے لیے ٹھٹھرا۔ پھر اس نے کندھے اچکائے۔ "دادا ابو بوڑھے ہو گئے تھے۔ شاید انہوں نے کہانی میں مرچ مصالحہ لگایا ہو۔"

"یا شاید نہیں لگایا ہو،" ماہم بولی۔ وہ سوچ میں پڑی تھی۔ "دیکھو، میں اس بات پر یقین نہیں کرتی کہ پانی بول سکتا ہے۔ لیکن... اگر وہاں واقعی کوئی انوکھی جھیل ہے جو کسی نقشے پر نہیں ہے، تو یہ ایک دریافت ہوگی۔ ایک حقیقی دریافت۔" "تو تم ساتھ آرہی ہو؟" زویار کی آنکھیں چمکیں۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔" ماہم نے کتاب بند کی۔ "میں نے کہا کہ یہ دلچسپ ہوگا۔ لیکن ہمیں احتیاط کرنی ہوگی۔ ہم نشان زدہ راستے سے زیادہ دور نہیں جائیں گے۔ اور اگر کوئی خطرہ محسوس ہوا تو فوراً واپس آجائیں گے۔"

"بالکل!" زویار نے جلدی سے کہا۔ اتنی جلدی کہ صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ آدھا سچ تھا۔ "ہم صرف دیکھنے جائیں گے۔ پانی کو کوئی نہیں چھوئے گا۔"

بلال نے دونوں کو دیکھا، پھر ایک لمبی سانس لی۔ "میں کیوں ہمیشہ ہاں کہہ دیتا ہوں؟"

"کیونکہ تم ہمیں پسند کرتے ہو،" ماہم مسکراتی۔

"یا کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ تم دونوں میرے بغیر کسی مصیبت میں پھنس جاؤ گے،"
بلال نے کہا۔ "اور ویسے بھی، اگر وہاں واقعی کوئی جادوئی جھیل ہے تو میں اسے
اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر طے ہوا؟" زویار نے ہاتھ بڑھایا۔ "کل صبح چھ بجے۔ پہاڑی کے دامن
میں۔ ہلکا سامان، پانی کی بوتلیں، کچھ کھانے کو۔"
تینوں نے ہاتھ ملائے۔ عہد ہو گیا۔

رات کو زویار کو نیند نہیں آئی۔ وہ بار بار نقشہ دیکھتا رہا۔ وہ کاغذ جس پر اس نے
دادا ابو کی بتائی ہوئی نشانیاں لکھی تھیں۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی بے
چینی تھی۔ خوشی بھی تھی، ڈر بھی۔ دادا ابو کی آواز اس کے کانوں میں گونج
رہی تھی: "جو اسے چھو لے... وہ بدل جاتا ہے۔"

"میں پانی کو نہیں چھوؤں گا،" اس نے خود سے کہا۔ "ہم صرف دیکھیں گے۔
بس دیکھیں گے۔"

لیکن دل کی گہرائی میں وہ جانتا تھا کہ کہانیاں اتنی آسان نہیں ہوتیں۔

اگلی صبح چھ بجے، جب شہر ابھی سویا ہوا تھا اور اذان کی آواز فضا میں گونج رہی
تھی، تینوں دوست پہاڑی کے دامن میں جمع تھے۔ ہوا میں صبح کی ٹھنڈک

تھی۔ پرندے ابھی ابھی جاگے تھے اور ان کی چہچہاہٹ درختوں میں گونج رہی تھی۔ مشرق میں آسمان نارنجی ہو رہا تھا۔

زویار نے اپنا بیگ کندھے پر ڈالا۔ اس میں نقشہ، رسی کا ایک ٹکڑا، ٹارچ، ایک چھوٹی سی فرسٹ ایڈ کٹ، اور امی کے بنائے ہوئے آلو کے پراٹھے تھے جو اب بھی ہلکے گرم تھے۔ ماہم کے بیگ میں پانی کی بوتلیں، ایک نوٹ بک، ایک قلم، اور وہ پرانی کتاب تھی جسے وہ ہر سفر پر ساتھ لے جاتی تھی۔ "پہاڑوں کی کہانیاں"۔ بلال کے بیگ میں... زیادہ تر کھانے کی چیزیں تھیں۔ بسکٹ، نمکو، سیب، کیلے، اور ایک بڑا سینڈوچ۔

"تم نے پورا باورچی خانہ اٹھا لیا ہے؟" زویار نے بلال کے پھولے ہوئے بیگ کو دیکھ کر پوچھا۔

"مہم پر بھوکا نہیں رہا جاتا،" بلال نے فلسفیانہ انداز میں جواب دیا۔ "یہ میرا اصول ہے۔ دنیا کی ہر بڑی مہم میں کھانا سب سے اہم ہوتا ہے۔"

"تمہارا اصول تمہاری کمر توڑ دے گا،" ماہم ہنسی۔ "چلو، دیر ہو رہی ہے۔"

راستہ شروع میں آسان تھا۔ چوڑا، صاف، اور جگہ جگہ لکڑی کے نشانات لگے ہوئے تھے جن پر فاصلے لکھے تھے۔ یہ وہ راستہ تھا جہاں سیاح آتے تھے، خاندان پکنک مناتے تھے، بچے دوڑتے پھرتے تھے۔ صبح کے وقت یہاں کچھ

اور سیاح بھی تھے۔ ایک خاندان اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ، دو نوجوان لڑکے کمرے لیے۔

تینوں نے ان سے مسکرا کر سلام کیا اور آگے بڑھ گئے۔ ایک گھنٹے کی چڑھائی کے بعد، جب وہ ایک موڑ پر پہنچے جہاں سے نشان زدہ راستہ دائیں طرف مڑتا تھا اور ایک چھوٹی سی چائے کی دکان تھی، زویار رک گیا۔

بائیں طرف ایک تنگ پگڈنڈی جنگل میں گھستی تھی۔ اس پر کوئی نشان نہیں تھا۔ گھاس اتنی اونچی تھی کہ لگتا تھا یہاں مہینوں سے کوئی نہیں آیا۔

"زویار..." ماہم نے خبردار کیا۔ "تم نے کہا تھا ہم نشان زدہ راستے پر ہیں گے۔"

"اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم صرف دیکھنے جائیں گے،" زویار نے پگڈنڈی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دیکھو۔ تین دیودار کے درخت۔"

واقعی، پگڈنڈی کے شروع میں ہی تین دیودار کے درخت ایک ساتھ کھڑے تھے۔ ان کی شاخیں آپس میں ملی ہوئی تھیں، اور ان کے نیچے زمین پر سوتیوں کی موٹی تہہ تھی۔ یہ بالکل ویسی نشانی تھی جیسی دادا ابو نے بتائی تھی۔

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ماہم کے چہرے پر ہچکچاہٹ تھی۔ بلاال کے چہرے پر خوف اور تجسس کی ملی جلی کیفیت۔ اور زویار کے چہرے پر... فتح۔

"صرف تھوڑا آگے،" زویار نے نرم لہجے میں کہا۔ "اگر کچھ عجیب لگا تو فوراً واپس۔ وعدہ۔"

ماہم نے کچھ دیر سوچا، پھر سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔ لیکن میری ایک شرط ہے۔ ہم ایک دوسرے سے دور نہیں ہوں گے۔ تینوں ساتھ رہیں گے۔"

"منظور،" زویار اور بلال نے ایک ساتھ کہا۔

وہ پگڈنڈی پر چل پڑے۔ جتنا آگے بڑھتے گئے، جنگل اتنا ہی گھنا ہوتا گیا۔ دیودار کے درخت اتنے اونچے تھے کہ ان کی چوٹیاں نظر نہیں آتی تھیں۔ سورج کی روشنی چھن چھن کر زمین پر گرتی تھی، اور ہر قدم پر سوئیوں کی چرماہٹ ہوتی تھی۔ ہوا میں دیودار کی تیز خوشبو اور گیلی مٹی کی مہک تھی۔

کہیں دور کوئی چشمہ بہہ رہا تھا۔ اس کی آواز پتھروں سے ٹکراتی ہوئی آتی تھی۔ چھن چھن، چھن چھن۔ ایک جگہ انہیں چشمہ پار کرنا پڑا۔ پانی اتنا صاف تھا کہ نیچے کے رنگ برنگے پتھر نظر آرہے تھے۔ پانی ٹھنڈا تھا، برف جیسا۔ بلال نے پانی میں ہاتھ ڈالا اور فوراً نکال لیا۔

"اوہ! یہ تو برف ہے!" وہ چلایا۔

"پہاڑی چشمے ایسے ہی ہوتے ہیں،" ماہم نے کہا۔ اس نے اپنی نوٹ بک نکالی اور کچھ لکھا۔ "میں سب کچھ نوٹ کر رہی ہوں۔ اگر ہم واقعی کوئی نئی جگہ دریافت کریں تو ہمیں ثبوت چاہیے ہوگا۔"

"تم ہمیشہ اتنی... منظم کیوں ہوتی ہو؟" بلال نے پوچھا۔

"کیونکہ کوئی تو ہو جو سوچے،" ماہم نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ورنہ تم دونوں تو بس... چل پڑتے ہو۔"

دوپہر کے قریب انہوں نے ایک کھلی جگہ پر آرام کیا۔ زویار کی امی کے پراٹھے اب ٹھنڈے ہو گئے تھے، لیکن پھر بھی مزیدار تھے۔ بلال نے اپنا سینڈوچ نکالا۔ اتنا بڑا کہ تینوں کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"یہ سینڈوچ ہے یا تکیہ؟" زویار نے پوچھا۔

"یہ میری بقا کی ضمانت ہے،" بلال نے ایک بڑا لقمہ لیتے ہوئے کہا۔

کھانے کے دوران ماہم نے اپنی کتاب کھولی۔ "سنو، میں نے اس کتاب میں پڑھا تھا کہ ہمارے ان پہاڑوں میں کئی ایسی جھیلیں ہیں جو نقشوں پر نہیں ہیں۔ گلیشیر پگھلتے ہیں، نئی جھیلیں بنتی ہیں۔ تو یہ ممکن ہے کہ تمہارے دادا ابو نے واقعی کوئی ایسی جھیل دیکھی ہو۔"

"لیکن اتنی نیلی؟" بلال نے پوچھا۔ "پانی اتنا نیلا کیسے ہو سکتا ہے؟"

"معدنیات کی وجہ سے ہو سکتا ہے،" ماہم نے کہا۔ "کچھ جھیلوں میں تانبے کے ذرات ہوتے ہیں جو پانی کو نیلا کرتے ہیں۔ یہ سائنس ہے، جادو نہیں۔"

زویار نے کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا کہ ماہم سائنس پر یقین رکھتی ہے۔ لیکن اس کے دل میں دادا ابو کی آواز تھی۔ "پانی نے اس کا نام لیا۔"

کھانے کے بعد وہ پھر چل پڑے۔ اب چڑھائی مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ ان کی سانسیں پھولنے لگیں۔ بلال کا بھاری بیگ اب اسے کوس رہا تھا۔

"میں... میں تھوڑا... آرام..." بلال ہانپ رہا تھا۔

"بس تھوڑا اور،" زویار نے اسے حوصلہ دیا۔ "دادا ابو نے کہا تھا۔ چٹان کے بعد درہ ہے۔"

اور واقعی، کچھ دیر بعد انہیں وہ چٹان ملی۔ ایک دیوہیکل چٹان، بیچ سے بالکل دو حصوں میں پھٹی ہوئی۔ جیسے کسی دیو نے تلوار سے کاٹا ہو۔ دراڑ اتنی چوڑی تھی کہ ایک شخص آسانی سے گزر سکتا تھا۔ چٹان کے اس پار... دھند تھی۔ سفید، گھنی دھند۔

تینوں چٹان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ یہ وہ لمحہ تھا۔ آگے بڑھیں یا واپس جائیں۔

"اب بھی وقت ہے،" ماہم نے آہستہ سے کہا۔ "ہم واپس جاسکتے ہیں۔ کسی کو کچھ پتا نہیں چلے گا۔"

زیوار نے دھند کی طرف دیکھا۔ "اور اگر ہم واپس گئے تو ہمیشہ سوچتے رہیں گے کہ اس پار کیا تھا۔"

بلال نے ایک لمبی سانس لی۔ "تم دونوں جہاں جاؤ گے، میں وہیں آؤں گا۔ یہی دوستی ہے نا؟"

ماہم نے مسکرا کر بلال کا ہاتھ تھاما۔ "ٹھیک ہے۔ لیکن یاد رکھو۔ ایک دوسرے سے دور نہیں ہوں گے۔"

وہ ایک ایک کر کے دراڑ میں داخل ہوئے۔ اندر ٹھنڈ تھی، اور دیواریں نم تھیں۔ اوپر سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔ تقریباً بیس منٹ کی مشکل چڑھائی کے بعد، جب ان کی ٹانگیں کانپنے لگیں تھیں اور بلال بڑبڑا رہا تھا کہ اس کا سینڈوچ ضائع ہو گیا، اچانک... روشنی۔

وہ درے سے باہر نکلے۔ اور دنیا بدل گئی۔

ان کے سامنے ایک وادی تھی۔ چھوٹی، گول، چاروں طرف اونچے پہاڑوں سے گھری ہوئی۔ اور وادی کے بالکل بیچ میں... جھیل۔

لیکن یہ کوئی عام جھیل نہیں تھی۔

اس کا پانی اتنا نیلا تھا کہ دیکھنے والے کی آنکھیں چندھیا جائیں۔ یہ وہ نیلا رنگ نہیں تھا جو آسمان یا سمندر میں ہوتا ہے۔ یہ گہرا، روشن، تقریباً چمکتا ہوا نیلا تھا، جیسے پانی کے نیچے کوئی روشنی چل رہی ہو۔ جھیل بالکل گول تھی۔ اتنی کامل گول کہ لگتا تھا کسی نے پرکار سے کھینچی ہو۔ کنارے سے لے کر بیچ تک رنگ ایک جیسا تھا، کوئی اتار چڑھاؤ نہیں۔

اس کے اوپر ہلکی دھند تیر رہی تھی، سفید دھند نیلے پانی پر۔ ایسا منظر جو خواب میں بھی نہ دیکھا ہو۔ اور سب سے عجیب بات: مکمل خاموشی تھی۔ کوئی پرندہ نہیں چہچہا رہا تھا۔ کوئی کیرا نہیں بول رہا تھا۔ ہوا بھی نہیں چل رہی تھی۔ ایسی خاموشی جو کانوں میں بجتی ہے، جو سینے پر بوجھ ڈالتی ہے۔

"یا اللہ..." بلال کی آواز کانپ رہی تھی۔ اس کا سینڈوچ والا بیگ اس کے کندھے سے پھسل گیا۔ "یہ... یہ حقیقی ہے؟ میں خواب تو نہیں دیکھ رہا؟"

ماہم نے اپنی نوٹ بک نکالی، لیکن اس کے ہاتھ اتنے کانپ رہے تھے کہ قلم پکڑنا مشکل تھا۔ "یہ ناممکن ہے۔" اس کی آواز میں سائنسدان کی حیرت تھی۔ "اتنی کامل گول... اتنا یکساں نیلا رنگ... قدرتی جھیلیں ایسی نہیں ہوتیں۔ قدرتی چیزوں میں خامیاں ہوتی ہیں۔ اس میں کوئی خامی نہیں ہے۔"

زویار کچھ نہیں بولا۔ وہ صرف دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ خوشی کے، حیرت کے، فتح کے۔ "دادا ابو..." اس نے سرگوشی کی۔ "آپ سچ کہتے تھے۔"

وہ آہستہ آہستہ جھیل کی طرف بڑھے، جیسے وہ کسی مقدس جگہ کی طرف بڑھ رہے ہوں۔ جتنا قریب جاتے، اتنا ہی پانی کا نیلا رنگ گہرا ہوتا جاتا۔ یا شاید یہ ان کی آنکھوں کا دھوکہ تھا۔ کنارے پر ریت نہیں تھی۔ اس کی جگہ چھوٹے چھوٹے ہموار پتھر تھے، سب نیلے۔ ملکہ نیلے سے لے کر گہرے نیلے تک۔ زویار نے جھک کر ایک پتھر اٹھایا۔

وہ گرم تھا۔

دھوپ کی وجہ سے نہیں۔ اس وقت دھند کی وجہ سے دھوپ براہ راست نہیں پڑ رہی تھی۔ بلکہ اندر سے گرم، جیسے اس پتھر میں کوئی دھڑکن ہو، کوئی زندگی ہو۔ زویار نے اسے جلدی سے رکھ دیا۔

"پتھر گرم ہیں،" اس نے کہا۔ اس کی آواز عجیب لگ رہی تھی۔

"یہ کیسے ممکن ہے؟" ماہم نے بھی ایک پتھر اٹھایا۔ اس نے فوراً رکھ دیا۔ "یہ... یہ واقعی گرم ہے۔"

بلال نے کچھ نہیں اٹھایا۔ وہ صرف پانی کو دیکھ رہا تھا۔ پانی بالکل ساکن تھا۔ آئینے کی طرح ساکن۔ اس میں تینوں کے چہرے نظر آرہے تھے، اتنے صاف اور واضح کہ لگتا تھا پانی کے نیچے ایک دوسری دنیا ہے جہاں ان کے عکس رہتے ہیں۔

"پانی کو چھو کر دیکھیں؟" ماہم نے کہا۔ اس کی سائنسی تجسس اس کے خوف پر حاوی ہو رہا تھا۔ "دیکھتے ہیں کہ ٹھنڈا ہے یا گرم۔ صرف ایک انگلی۔"

زویار نے ہاتھ بڑھایا۔ لیکن بلال نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بلال کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ زویار کو درد ہوا۔

"رکو!" بلال کی آنکھوں میں خوف تھا۔ اصلی، گہرا خوف۔ "تمہارے دادا نے کیا کہا تھا؟ جو اسے چھو لے، وہ بدل جاتا ہے۔"

"یہ صرف کہانی ہے، بلال،" زویار نے کہا، لیکن اس نے ہاتھ روک لیا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز تھی۔

"کہانیاں کہیں نہ کہیں سے تو آتی ہیں،" ماہم بولی۔ اس نے اپنی نوٹ بک میں کچھ تیزی سے لکھا۔ "پہلے ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ سائنسی طریقہ۔ پہلے دیکھو، پھر سوچو، پھر عمل کرو۔ جلدی کس بات کی ہے؟"

تینوں کنارے پر بیٹھ گئے۔ زویار نے پراٹھ نکالے۔ حالانکہ اب کسی کو بھوک نہیں تھی۔ انہوں نے بے دلی سے کھایا، ان کی نظریں پانی پر جمی تھیں۔

ماہم نے مشاہدے شروع کیے۔ "پانی میں کوئی مچھلی نہیں ہے۔ کوئی کیڑا نہیں ہے۔ کنارے پر کوئی پودا نہیں اگ رہا۔ دیکھو، جہاں پانی ختم ہوتا ہے، وہاں سے ایک فٹ دور تک کوئی گھاس نہیں ہے۔ جیسے زمین پانی سے ڈرتی ہو۔"

"اور یہ دھند..." زویار نے کہا۔ "دھند صرف پانی کے اوپر ہے۔ کنارے سے باہر نہیں آتی۔"

بلال خاموش تھا۔ وہ اپنے گھٹنوں کو سینے سے لگائے بیٹھا تھا، اس کی نظریں پانی میں اپنے عکس پر تھیں۔ اس کا عکس اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر وہ ہوا۔ وہ لمحہ جس نے سب کچھ بدل دیا۔

شاید تجسس تھا۔ شاید بلال ثابت کرنا چاہتا تھا کہ وہ ڈرپوک نہیں ہے۔ کہ وہ بھی بہادر ہو سکتا ہے۔ یا شاید... پانی نے اسے بلایا تھا۔ بعد میں، جب وہ یہ بات بتائے گا، تو اس کی آنکھوں میں آنسو ہوں گے۔ "مجھے لگا جیسے کوئی میرا نام پکار رہا ہو۔ پانی میں سے۔ میرا اپنا نام۔ میں روک نہیں پایا۔"

اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ اور اپنی انگلیاں پانی میں ڈبو دیں۔

پانی گرم تھا۔ نہانے کے پانی جتنا گرم۔ حالانکہ پہاڑی ہوا ٹھنڈی تھی اور ان کے جسموں پر پسینہ خشک ہو کر ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ یہ گرمائش غیر فطری تھی۔ اور جیسے ہی اس کی انگلیاں پانی میں گئیں، لہریں پھیلنے لگیں۔

لیکن یہ عام لہریں نہیں تھیں۔ عام لہریں دائروں میں پھیلتی ہیں۔ سادہ، بے ترتیب۔ یہ لہریں... نمونوں میں پھیل رہی تھیں۔ پہلے دائرے، پھر ان دائروں کے اندر چھوٹے دائرے، پھر ایسی شکلیں جو کسی قدیم زبان کے حروف جیسی لگتی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے پانی کچھ لکھ رہا ہو۔

"بال! ہاتھ نکالو!" ماہم چیخی۔ اس کی نوٹ بک اس کے ہاتھ سے گر گئی۔

لیکن بال ہل نہیں رہا تھا۔ اس کی نظریں پانی میں اپنے عکس پر جمی تھیں۔ اور اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

کیونکہ اس کا عکس... مسکرا رہا تھا۔

بال مسکرا نہیں رہا تھا۔ اس کا چہرہ خوف سے پتھرایا ہوا تھا، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ لیکن پانی میں اس کا چہرہ مسکرا رہا تھا۔ ایک پرسکون، جاننے والی، تقریباً... خوش آمدید کہنے والی مسکراہٹ۔

اور پھر عکس نے اپنے ہونٹ ہلائے۔

اور بلال نے اپنے کانوں میں ایک سرگوشی سنی۔ اتنی ہلکی کہ شاید وہم ہو۔ لیکن اتنی صاف کہ انکار ناممکن تھا۔ ایک نرم، گہری آواز۔ نہ مرد کی، نہ عورت کی۔ جو پانی کے نیچے سے آتی محسوس ہوتی تھی:

"بلال... تم آگئے... میں تمہارا انتظار کر رہی تھی..."

بلال نے چیخ ماری۔ ایک ایسی چیخ جو وادی میں گونجی اور دھند میں کھو گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ بھیج لیا اور چھبے گرا۔ اس کا ہاتھ بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس کی انگلیوں پر پانی کے قطرے تھے۔ اور وہ قطرے نیلے تھے۔ گہرے، چمکتے ہوئے نیلے۔ عام پانی کے قطرے شفاف ہوتے ہیں۔ یہ چمک رہے تھے، جیسے ان میں چھوٹی چھوٹی روشنیاں ہوں۔

"تم نے سنا؟" بلال بانپ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "تم نے سنا؟ اس نے میرا نام لیا؟"

زویار اور ماہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہوں نے کچھ نہیں سنا تھا۔ صرف وہی غیر فطری خاموشی تھی۔

"بلال، شاید تم نے..." ماہم نے نرم لہجے میں شروع کیا۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"میں نے سنا!" بلال چیخا۔ اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ "اس نے کہا تم آگئے۔
— جیسے وہ میرا انتظار کر رہی تھی! اور میرا عکس... میرا عکس مسکرا رہا تھا! میں
نہیں مسکرا رہا تھا!"

زویار نے بلال کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا اپنا ہاتھ بھی کانپ رہا تھا۔
"ٹھیک ہے۔ ہم مانتے ہیں۔ اب ہم یہاں سے چلتے ہیں۔ فوراً۔"

لیکن جب وہ اٹھنے لگے، ماہم نے پانی کی طرف ایک آخری نظر ڈالی۔ صرف ایک
نظر، یہ دیکھنے کے لیے کہ لہریں رک گئی ہیں یا نہیں۔

اور اس کا دل رک سا گیا۔

پانی میں اب تین عکس نہیں تھے۔

چار تھے۔

چوتھا عکس ان کے ٹھیک چھبھ تھا۔ ایک لمبا، دھندلا سایہ، جس کا چہرہ واضح نہیں
تھا۔ وہ ان تینوں سے اونچا تھا۔ اس کے کندھے چوڑے تھے۔ اور وہ... ان کی
طرف دیکھ رہا تھا۔

ماہم کا حلق خشک ہو گیا۔ اس نے آہستہ سے کہا، "چھبھ... ہمارے چھبھ کوئی
ہے۔"

تینوں نے ایک ساتھ پلٹ کر دیکھا۔

چھہ کوئی نہیں تھا۔

صرف پہاڑ تھے، درخت تھے، اور دھند تھی۔ کوئی انسان، کوئی جانور، کوئی سایہ نہیں۔

ماہم نے کانپتے ہوئے دوبارہ پانی میں دیکھا۔

چوتھا عکس غائب تھا۔ صرف تینوں کے چہرے تھے۔ پیلے، خوفزدہ، آنکھیں پھیلی ہوئی۔

"چلو،" ماہم کی آواز اتنی کانپ رہی تھی کہ وہ خود اسے پہچان نہیں پائی۔ "ابھی۔ اسی وقت۔ یہاں سے چلو۔"

کسی نے بحث نہیں کی۔

انہوں نے اپنا سامان جلدی جلدی سمیٹا۔ زویار نے نقشہ جیب میں ڈالا۔ ماہم نے اپنی نوٹ بک اٹھائی۔ اس کا ہاتھ اتنا کانپ رہا تھا کہ وہ اسے بیگ میں ڈالنے میں ناکام رہی، تو اس نے اسے ویسے ہی ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بلال نے اپنا بیگ اٹھایا۔ اس کی انگلیوں پر اب بھی نیلے قطرے تھے۔ وہ خشک نہیں ہو رہے تھے۔

واپسی کا سفر ایک ڈراؤنے خواب جیسا تھا۔

وہ درے سے گزرے۔ اب وہ پہلے سے زیادہ تنگ اور تاریک لگ رہا تھا۔ پھر چٹان، پھر جنگل۔ لیکن اب جنگل مختلف لگ رہا تھا۔ پرندے اب بھی نہیں چہچہا رہے تھے۔ وہ خاموشی جو جھیل کے پاس تھی، اب ان کے ساتھ چل رہی تھی۔ جیسے وہ اسے اپنے ساتھ لے آئے ہوں۔

کوئی نہیں بولا۔ بلال سب سے آگے چل رہا تھا، تیز قدموں سے، جیسے وہ اس جگہ سے جتنا دور ہو سکے بھاگنا چاہتا ہو۔ اس کے پیچھے ماہم تھی، اور سب سے پیچھے زویار۔ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوا۔

"تم نے واقعی کچھ دیکھا تھا؟" زویار نے آخر کار خاموشی توڑی۔ اس کی آواز دھیمی تھی۔ "پانی میں؟"

ماہم نے کچھ دیر جواب نہیں دیا۔ صرف اس کے قدموں کی آہٹ تھی۔ پھر وہ بولی، "میں... مجھے نہیں پتا، زویار۔ شاید میرا وہم تھا۔ تھکن، ڈر... دماغ ایسی حالت میں چیزیں بنا لیتا ہے۔"

"کیا دیکھا تھا؟" زویار نے اصرار کیا۔

ماہم رک گئی۔ اس نے زویار کی آنکھوں میں دیکھا۔ "ایک چوتھا عکس۔ ہمارے پیچھے کوئی کھڑا تھا۔ لمبا۔ دھندلا۔"

زویار کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "تم مذاق کر رہی ہو۔"

"کاش کر رہی ہوتی۔" ماہم کی آوازیں آنسو تھے۔ "زویار، مجھے ڈر لگ رہا ہے۔
مجھے واقعی ڈر لگ رہا ہے۔"

زویار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "ہم گھر جا رہے ہیں۔ سب ٹھیک ہو
جائے گا۔"

لیکن وہ خود بھی یقین نہیں رکھتا تھا۔

شام کو جب وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچی، تو سورج ڈوب رہا تھا۔ آسمان لال
اور نارنجی تھا۔ عام دنوں میں یہ منظر خوبصورت لگتا۔ آج یہ انہیں اجنبی لگا۔

"سنو،" زویار نے کہا جب وہ الگ ہونے لگے۔ "یہ بات ہم تینوں کے بیچ رہے
گی۔ کسی کو نہیں بتائیں گے۔ نہ امی ابو کو، نہ کسی اور کو۔"

"کیوں؟" بلال نے پوچھا۔ اس کی آواز اب بھی کانپ رہی تھی۔

"کیونکہ کون یقین کرے گا؟" زویار نے کہا۔ "اور اگر کوئی یقین کر بھی لے تو...
وہاں بھیڑ لگ جائے گی۔ سیاح، سائنسدان... وہ جگہ... وہ خاص ہے۔ ہمیں
اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔"

ماہم نے سر ہلایا۔ "اور ہمیں خود بھی سمجھنا ہے کہ وہاں ہوا کیا تھا۔ بغیر سمجھے کسی کو بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"کل ملتے ہیں؟" زویار نے پوچھا۔ "میرے گھر؟ ہم بات کریں گے۔"

"ہاں،" ماہم نے کہا۔

بلال نے صرف سر ہلایا۔ وہ اب بھی اپنے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ نیلے قطرے اب بھی تھے۔ مدھم، لیکن موجود۔

"بلال،" زویار نے نرم لہجے میں کہا۔ "تم ٹھیک ہو؟"

بلال نے سر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں میں وہی خوف تھا جو جھیل کے کنارے تھا۔ "زویار... جب میں نے پانی کو چھوا... مجھے لگا جیسے... جیسے پانی نے مجھے پہچان لیا ہو۔ جیسے وہ مجھے جانتی ہو۔"

"تم تھکے ہوئے ہو،" زویار نے کہا۔ لیکن اس کی آوازیں یقین نہیں تھا۔ "گھر جاؤ۔ سو جاؤ۔ کل سب بہتر لگے گا۔"

تینوں اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔

رات کو بلال کو نیند نہیں آئی۔

وہ بستر پر لیٹا چھت کو دیکھتا رہا۔ جب بھی آنکھیں بند کرتا، وہی نیلا پانی نظر آتا۔
چمکتا ہوا، بلاتا ہوا۔ وہی سرگوشی اس کے کانوں میں گونجتی: "بلال... تم آگئے..."

وہ اٹھا۔ اس نے پانی پیا۔ اس نے کھرکی سے باہر دیکھا۔ گلی خاموش تھی،
صرف اسٹریٹ لائٹ کی پیلی روشنی تھی۔ سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔

وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ اس نے خود سے کہا: "یہ صرف تھکن ہے۔ دماغ تھکن میں
عجیب چیزیں سوچتا ہے۔ ماہم نے کہا تھا۔"

آخر کار، رات کے دو بجے کے قریب، تھکن نے اسے گھیر لیا اور وہ سو گیا۔

اور پھر خواب آیا۔

خواب میں وہ پھر جھیل کے کنارے تھا۔ لیکن اب رات تھی۔ گہری، تاریک
رات۔ آسمان میں چاند تھا، پورا چاند، اور اس کا عکس پانی میں تیر رہا تھا۔ پانی
چمک رہا تھا۔ رات میں بھی، چاندنی سے زیادہ روشن۔

اور پانی سے آواز آئی۔ وہی نرم، گہری آواز:

"بلال... تمہارے دل میں ایک خواہش ہے... ایک ادھوری خواہش... جسے تم
نے کبھی کسی کو نہیں بتایا..."

خواب میں بلال نے پوچھا، "تم کون ہو؟"

پانی نے جواب دیا، "میں وہ ہوں جو تم بننا چاہتے ہو۔ میں وہ ہوں جو تمہارے
ڈر کو ختم کر سکتی ہوں۔ آؤ... میرے پاس آؤ..."

"میں... میں نہیں آسکتا،" خواب میں بلال نے کہا۔ "مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"ڈر ہی تو تمہاری قید ہے، بلال۔" پانی کی آواز میں ہمدردی تھی۔ "تم بہادر بننا
چاہتے ہو۔ زویار جیسا بہادر۔ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہیں سنجیدہ لیں۔ میں
تمہیں یہ سب دے سکتی ہوں۔ بس... میرے پاس آؤ۔"

خواب میں بلال جھیل کی طرف بڑھنے لگا۔ پانی اس کے پاؤں کو چھونے لگا۔
گرم، نرم پانی۔

"ہاں... اس نے سرگوشی کی۔" "ہاں..."

اور پھر۔ اس کی امی کی آواز: "بلال! اٹھو! اسکول کے لیے دیر ہو رہی ہے!"

بلال چیخ مار کر جاگ اٹھا۔ اس کا دل اتنے زور سے دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا وہ
پھٹ جائے گا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں بھیگا تھا۔ کمرہ روشن تھا۔ صبح ہو گئی
تھی۔ اس کی امی دروازے پر کھڑی تھیں۔

"کیا ہوا؟" امی نے پریشان ہو کر پوچھا۔ "تم چیخ کیوں؟"

"خواب... برا خواب دیکھا تھا،" بلال نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہیں، امی۔"

امی چلی گئیں۔ بلال نے سکھ کی سانس لی۔ صرف ایک خواب تھا۔ سب کچھ
ٹھیک تھا۔ وہ محفوظ تھا۔ اپنے گھریں، اپنے بستر پر۔

پھر اس نے نیچے دیکھا۔

اس کے پاؤں گیلے تھے۔

اس کی شلوار کے پانچے گیلے تھے۔ گھٹنوں تک۔ اور اس کے بستر سے لے کر
کمرے کے دروازے تک... گیلے قدموں کے نشان تھے۔ چھوٹے، گیلے قدموں
کے نشان۔ بالکل اس کے اپنے پاؤں کے سائز کے۔

اور دروازے کے پاس، فرش پر... نیلے رنگ کے چند قطرے تھے۔ چمکتے
ہوئے نیلے قطرے۔

بلال کی چیخ پورے گھریں گونجی۔ ایسی چیخ کہ اس کی امی دوڑتی ہوئی آئیں، کہ
پڑوسیوں نے کھڑکیاں کھول دیں۔

لیکن بلال صرف اپنے گیلے پاؤں کو دیکھ رہا تھا، اور اس کے ذہن میں ایک ہی
بات گونج رہی تھی:

"رات کو میں بستر سے اٹھا تھا... اور مجھے یاد نہیں... مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں کہاں
گیا تھا۔"

بلال کی چیخ نے پورا گھر ہلا کر رکھ دیا تھا۔

اس کی امی دوڑتی ہوئی آئیں۔ ان کے ہاتھ میں ناشتے کی پلیٹ تھی جو اب فرش پر گری تھی۔ اس کے ابو بھی آگئے۔ چھوٹی بہن دروازے سے جھانک رہی تھی، اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔

"کیا ہوا؟ کیا ہوا میرے بچے؟" امی نے بلال کو گلے لگایا۔

بلال کچھ نہیں بول سکا۔ وہ صرف اپنے گیلے پاؤں کو دیکھ رہا تھا، اور بستر سے دروازے تک گئے گیلے قدموں کے نشانوں کو۔ نیلے قطرے اب بھی دروازے کے پاس چمک رہے تھے۔ حالانکہ اب دن کی روشنی میں وہ مدہم تھے۔

"تمہارے پاؤں گیلے کیوں ہیں؟" ابو نے پوچھا۔ "تم ہاتھ روم گئے تھے؟"

"میں... مجھے یاد نہیں،" بلال نے کہا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں سو رہا تھا۔ پھر میں جاگا تو... یہ..."

امی نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھا۔ "تمہیں بخار تو نہیں؟ تمہارا چہرہ پیلا پڑ گیا ہے۔"

"میں ٹھیک ہوں، امی۔" بلال نے جلدی سے کہا۔ "بس... برا خواب دیکھا تھا۔
میں منہ دھو کر آتا ہوں۔"

اس نے جلدی سے تولیے سے اپنے پاؤں پونچھے، فرش صاف کیا۔ نیلے قطرے
اس نے اپنی انگلی سے اٹھائے اور انہیں غور سے دیکھا۔ وہ عام پانی جیسے نہیں
تھے۔ وہ گاڑھے تھے، اور ان میں ایک ہلکی چمک تھی۔ اس نے انہیں ٹشو میں
لیپٹ کر اپنی جیب میں رکھ لیا۔

ناشتے پر وہ خاموش تھا۔ اس کی امی بار بار اسے دیکھ رہی تھیں۔

"تم کل پہاڑوں پر گئے تھے نا؟" ابو نے پوچھا۔ "زیادہ تھک گئے ہو گے۔ آج
آرام کرو۔"

بلال نے سر ہلایا۔ لیکن اس کے ذہن میں ایک ہی بات تھی۔ اسے زویار اور
ماہم کو بتانا ہوگا۔ فوراً۔

جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں اکیلا ہوا، اس نے فون اٹھایا۔ اس کے ہاتھ کانپ
رہے تھے۔

"زویار... اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔" تمہیں اور ماہم کو ابھی میرے گھر آنا
ہوگا۔ ابھی۔"

"کیا ہوا؟" زویار کی آواز میں نیند تھی۔ "سب خیریت؟"

"نہیں۔ کچھ بھی خیریت نہیں ہے۔" بلال نے کہا۔ "وہ جھیل... وہ میرے خواب میں آئی تھی۔ اور جب میں جاگا تو... میرے پاؤں گیلے تھے، زویار۔ بستر سے دروازے تک گیلے نشان تھے۔ میں رات کو کہیں گیا تھا۔ اور مجھے یاد نہیں کہاں۔"

فون کے دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر زویار کی سنجیدہ آواز آئی، "ہم آ رہے ہیں۔ ماہم کو میں بلا لیتا ہوں۔ تم کہیں مت جانا۔"

آدھے گھنٹے بعد تینوں بلال کے کمرے میں تھے۔ دروازہ بند تھا۔ بلال نے انہیں سب کچھ بتایا۔ خواب، پانی کی آواز، وہ خواہش والی بات۔ اور پھر اس نے ٹشو نکالا جس میں نیلے قطرے تھے۔

ماہم نے ٹشو کو غور سے دیکھا۔ اس نے اپنی نوٹ بک نکالی۔ "یہ وہی قطرے ہیں جو کل تمہاری انگلیوں پر تھے۔" اس نے کہا۔ "بلال، یہ عام پانی نہیں ہے۔"

"تو پھر کیا ہے؟" بلال نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" ماہم نے ایمانداری سے کہا۔ "لیکن میں پتا لگاؤں گی۔"

زویار کھرکی کے پاس کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ وہ زویار نہیں تھا جو کل جوش میں تھا۔ "سنو،" اس نے کہا۔ "ہمیں اس جھیل کے بارے میں مزید جاننا ہوگا۔ دادا ابو نے مجھے صرف ایک کہانی سنائی تھی۔ لیکن اگر وہاں واقعی کچھ ہے تو... کسی اور کو بھی پتا ہوگا۔"

"کون؟" بلال نے پوچھا۔

"گاؤں والے۔" ماہم بولی۔ "پہاڑوں کے دامن میں جو گاؤں ہے۔ وہاں کے بوڑھے لوگ۔ ایسی کہانیاں نسلوں تک چلتی ہیں۔ میں آج ہی وہاں جاؤں گی۔" اکیلی نہیں، "زویار نے فوراً کہا۔ "ہم تینوں جائیں گے۔"

"نہیں۔" ماہم نے سر ہلایا۔ "بلال کو آرام کی ضرورت ہے۔ اور ویسے بھی، ایک لڑکی اگر اکیلی بوڑھوں سے کہانیاں پوچھے تو وہ زیادہ کھل کر بتاتے ہیں۔ یہ... یہ میرا تجربہ ہے۔"

بلال نے احتجاج کرنا چاہا، لیکن ماہم نے اسے روک دیا۔ "تمہیں آج آرام کرنا ہے۔ اور زویار۔ تم بلال کے ساتھ رہو گے۔ اگر... اگر رات کو پھر کچھ ہو تو کوئی اس کے ساتھ ہو۔"

زویار نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔"

"اور بلال،" ماہم نے نرم لہجے میں کہا۔ "خواب میں پانی نے تم سے تمہاری 'ادھوری خواہش' کے بارے میں کہا تھا۔ کیا تم ہمیں بتاؤ گے کہ وہ کیا ہے؟"

بلال نے نظریں جھکا لیں۔ اس کے گال لال ہو گئے۔ "میں... میں نہیں جانتا کہ اس کا کیا مطلب تھا۔"

"بلال۔" ماہم نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "ہم تمہارے دوست ہیں۔ تم ہم سے کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔"

بلال نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی۔ پھر آہستہ سے بولا، "تم دونوں ہمیشہ بہادر ہو۔ زویار۔ تم ہر چیز میں پہل کرتے ہو۔ ماہم۔ تم اتنی ذہین ہو کہ مجھے کبھی ڈر نہیں لگتا جب تم ساتھ ہو۔ اور میں..." اس کی آواز ٹوٹ گئی۔ "میں ہمیشہ وہ ہوں جو چھپے رہتا ہے۔ جو ڈرتا ہے۔ جو مذاق بنتا ہے۔ میں چاہتا ہوں... میں چاہتا ہوں کہ ایک بار... صرف ایک بار... میں بھی بہادر بنوں۔ تم دونوں جیسا۔" کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

پھر زویار نے آگے بڑھ کر بلال کو گلے لگایا۔ "تم بہادر ہو، بلال۔ تم کل ہمارے ساتھ اس درے میں گئے تھے۔ تم نے پانی کو چھوا تھا۔ ہم میں سے کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی۔"

"وہ ہمت نہیں تھی،" بلال نے کہا۔ "وہ بے وقوفی تھی۔"

"شاید۔" زویار مسکرایا۔ "لیکن پھر بھی ہمت چاہیے تھی۔"

ماہم نے بھی بلال کا ہاتھ دبایا۔ "اور سنو۔ تمہاری یہ خواہش... یہی وہ چیز ہو سکتی ہے جسے جھیل نے محسوس کیا۔ خواب میں پانی نے کہا تھا نا۔ 'ادھوری خواہش'۔ ہمیں اس کا مطلب سمجھنا ہوگا۔"

دوپہر کو ماہم اکیلی گاؤں گئی۔

یہ گاؤں پہاڑی کے دامن میں تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھر، تنگ گلیاں، اور ایک پرانی دکان جس پر لکھا تھا "کریم جنرل اسٹور"۔ دکان کے باہر ایک بوڑھا شخص چارپائی پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ اس کی داڑھی سفید تھی، اور اس کی آنکھوں میں وہ گہرائی تھی جو صرف عمر دیتی ہے۔

"السلام علیکم، چاچا،" ماہم نے کہا۔ "کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتی ہوں؟"

بوڑھے نے اسے غور سے دیکھا۔ "وعلیکم السلام، بیٹی۔ پوچھو۔"

"میں... میں پہاڑوں کی پرانی کہانیوں کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ خاص طور پر... کسی نیلی جھیل کے بارے میں۔"

بوڑھے کا ہاتھ رک گیا۔ حقے کا دھواں ہوا میں ٹھہر گیا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ایسی چمک آتی جو ماہم کو ٹھٹھرا گئی۔ خوف، حیرت، اور... پہچان۔

"نیلی جھیل؟" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تمہیں اس کے بارے میں کس نے بتایا؟"

"میرے دوست کے دادا نے۔ انہوں نے کہا تھا کہ انہوں نے جوانی میں دیکھی تھی۔"

بوڑھا کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے چارپائی پر اپنی جگہ بنائی۔ "بیٹھو، بیٹی۔ یہ کہانی لمبی ہے۔"

ماہم بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی نوٹ بک نکالی۔

"میرے دادا بتاتے تھے،" بوڑھے نے شروع کیا۔ "کہ سو سال پہلے، ان پہاڑوں کے پار ایک گاؤں تھا۔ خوشحال گاؤں۔ لوگ کھیتی باڑی کرتے تھے، مویشی پالتے تھے۔ پھر ایک رات... آسمان سے ایک تارا ٹوٹا۔"

"تارا؟" ماہم نے پوچھا۔

"ایسا لگا جیسے آسمان سے آگ گری ہو۔ پوری وادی روشن ہو گئی۔ لوگ ڈر گئے۔ صبح جب وہ دیکھنے گئے تو وہاں... ایک جھیل تھی۔ جہاں کل تک خشک زمین تھی، وہاں نیلا پانی تھا۔"

ماہم کے ہاتھ کاپننے لگے۔ اس نے لکھنا جاری رکھا۔

"پہلے تو لوگ خوش ہوئے۔ پانی مل گیا۔ لیکن پھر عجیب چیزیں ہونے لگیں۔ جو اس پانی کو پیتا، وہ بدل جاتا۔ کوئی خاموش ہو جاتا، کوئی... غائب ہو جاتا۔ ایک رات، گاؤں کا سب سے بہادر نوجوان۔ نام تھا اس کا جاوید۔ اس نے کہا کہ وہ جھیل کے نیچے تک تیر کر جائے گا۔ وہ گیا... اور واپس نہیں آیا۔"

"پھر؟"

"پھر گاؤں والوں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ وہ نیچے اتر آئے۔ یہیں، اس گاؤں میں۔ اور انہوں نے قسم کھائی کہ وہ کبھی اس جھیل کا ذکر نہیں کریں گے۔ لیکن کہانیاں... کہانیاں دبائی نہیں جاتیں، بیٹی۔ وہ نسلوں تک چلتی ہیں۔"

"چاچا،" ماہم نے ہمت کر کے پوچھا۔ "کیا آپ کو پتا ہے کہ جھیل... لوگوں کو کیسے بدلتی ہے؟"

بوڑھے نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میرے دادا کہتے تھے۔ جھیل ان لوگوں کو بلاتی ہے جن کے دل میں کوئی ادھوری خواہش ہو۔ کوئی ایسا خواب جو پورا نہ ہوا ہو۔ جھیل وعدہ کرتی ہے کہ وہ خواہش پوری کر دے گی۔ لیکن ہر چیز کی قیمت ہوتی ہے، بیٹی۔"

"کیسی قیمت؟"

"یہی تو کوئی نہیں جانتا۔" بوڑھے کی آواز دھیمی ہو گئی۔ "جو واپس آئے، وہ کبھی بتاتے نہیں۔ اور جو نہ آئیں... ان سے تو پوچھا ہی نہیں جاسکتا۔"

ماہم نے ایک اور سوال پوچھا۔ "کیا... کیا حال میں کوئی وہاں گیا ہے؟"
بوڑھا خاموش ہو گیا۔ اس نے حقہ ایک طرف رکھا۔ "تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو، بیٹی؟"

"بس... تجسس ہے۔"

"تجسس اچھی چیز ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "لیکن پہاڑوں میں تجسس جان بھی لے سکتا ہے۔" اس نے ماہم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "میری بات سنو۔ اس جھیل سے دور رہو۔ چاہے تمہیں وہاں کچھ بھی نظر آئے، چاہے وہ تمہیں بلائے... مت جانا۔ وعدہ کرو۔"

ماہم نے بوڑھے کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ وعدہ کرنا چاہتی تھی۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ وہ یہ وعدہ نہیں نبھا سکے گی۔ کیونکہ بلال پہلے ہی جھیل سے جڑ چکا تھا۔
"میں... میں کوشش کروں گی، چاچا،" اس نے کہا۔

بوڑھا سمجھ گیا۔ اس نے ایک لمبی سانس لی۔ "تو تم پہلے ہی وہاں جا چکی ہو۔" یہ سوال نہیں تھا۔

ماہم نے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"پھر اللہ تمہاری حفاظت کرے، بیٹی۔" بوڑھے نے کہا۔ "اور ایک بات یاد رکھو۔ جھیل جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ تمہیں وہ دکھاتی ہے جو تم واقعی ہو۔ یہی اس کا سب سے بڑا خطرہ ہے۔"

شام کو ماہم نے زویار اور بلال کو سب کچھ بتایا۔ تینوں بلال کے کمرے میں تھے۔ باہر بارش شروع ہو گئی تھی۔ ہلکی، ٹھنڈی بارش۔

"سو سال پہلے... ایک تارا... ایک گاؤں غائب..." زویار نے دہرایا۔ "یہ تو کسی فلم کی کہانی لگتی ہے۔"

"لیکن ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، زویار،" ماہم نے کہا۔ "ہم نے وہ جھیل دیکھی ہے۔ ہم نے وہ... وہ چیزیں دیکھیں ہیں۔"

بلال خاموش تھا۔ وہ کھڑکی سے بارش کو دیکھ رہا تھا۔ "چاچا نے کہا۔ جھیل ان لوگوں کو بلاتی ہے جن کے دل میں ادھوری خواہش ہو۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "تو... اس نے مجھے کیوں بلایا؟"

"کیونکہ تم بہادر بننا چاہتے ہو،" ماہم نے نرم لہجے میں کہا۔ "اور اس میں کوئی برائی نہیں ہے، بلال۔ یہ ایک اچھی خواہش ہے۔"

"لیکن جھیل اسے استعمال کر رہی ہے،" زویار نے کہا۔ اس کا چہرہ سخت تھا۔
"وہ تمہیں للچ دے رہی ہے۔ ہمیں اسے روکنا ہوگا۔"
"کیسے؟" بلال نے پوچھا۔

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ کوئی جواب نہیں تھا۔
پھر ماہم بولی، "ہمیں واپس جانا ہوگا۔"
"کیا؟" بلال اور زویار نے ایک ساتھ کہا۔

"سنو،" ماہم نے کہا۔ اس کی آوازیں وہ مضبوطی تھی جو ہمیشہ اس وقت آتی
تھی جب اس نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔ "ہم ڈر کر نہیں بیٹھ سکتے۔ بلال کی
حالت بگڑ رہی ہے۔ کل اس نے پانی چھوا، آج رات وہ نیند میں کہیں گیا۔ کل
کیا ہوگا؟ ہمیں سمجھنا ہوگا کہ یہ جھیل کیا ہے۔ اور اس کے لیے ہمیں واپس جانا
ہوگا۔ تیاری کے ساتھ۔"

"کیسی تیاری؟" زویار نے پوچھا۔

"رسی۔ ٹارچ۔ فرسٹ ایڈ۔ میری نوٹ بک۔ اور..." ماہم نے رکا۔ "اور ایک
دوسرے کا ساتھ۔ ہم تینوں جائیں گے۔ دن کی روشنی میں۔ اور ہم پانی کو نہیں
چھوتیں گے۔ ہم صرف... دیکھیں گے۔ سمجھنے کی کوشش کریں گے۔"

بلال نے کچھ دیر سوچا۔ پھر اس نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔ لیکن ایک شرط پر۔ اگر مجھے پھر وہ آواز سنائی دے تو تم دونوں مجھے وہاں سے کھینچ کر لے آؤ گے۔ چاہے مجھے اچھا لگے یا برا۔"

"وعدہ،" زویار اور ماہم نے ایک ساتھ کہا۔

اگلی صبح وہ پھر پہاڑی کے دامن میں تھے۔ اس بار ان کے بیگوں میں رسی، ٹارچیں، اور اضافی پانی تھا۔ ماہم نے ایک چھوٹی سی شیشی بھی رکھی تھی۔ "نمونے کے لیے،" اس نے کہا تھا۔ "اگر ہمیں نیلے قطرے ملیں تو۔"

سفر اس بار مختلف تھا۔ جنگل اب انہیں اجنبی نہیں لگتا تھا۔ بلکہ... منتظر لگتا تھا۔ جیسے درخت جانتے ہوں کہ وہ واپس آئے ہیں۔ پرندے اب بھی خاموش تھے۔

"تم نے محسوس کیا؟" ماہم نے سرگوشی کی۔ "کل بھی پرندے خاموش تھے۔" "شاید یہاں پرندے نہیں آتے،" زویار نے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں یقین نہیں تھا۔

وہ تین دیودار کے درختوں سے گزرے، پھٹی ہوئی چٹان سے گزرے، اور درے میں داخل ہوئے۔ اس بار درہ انہیں کم ڈراؤنا لگا۔ شاید اس لیے کہ وہ

جانتے تھے کہ اس پار کیا ہے۔ یا شاید اس لیے کہ ڈر اب ان کے اندر بس گیا تھا۔

جب وہ درے سے باہر نکلے، تو جھیل وہیں تھی۔ ویسی ہی نیلی، ویسی ہی ساکن، ویسی ہی خاموش۔ لیکن آج دھند کم تھی۔ اور دن کی روشنی میں پانی کا رنگ... اور بھی گہرا لگ رہا تھا۔

"دیکھو،" ماہم نے سرگوشی کی۔ اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔
جھیل کے دوسری طرف، کنارے پر... قدموں کے نشان تھے۔
تازہ قدموں کے نشان۔

"یہ ہمارے نہیں ہیں،" زویار نے کہا۔ اس نے نشانوں کو غور سے دیکھا۔
"دیکھو۔ یہ بڑے ہیں۔ کسی بڑے آدمی کے۔ اور یہ... یہ کل کے نہیں ہیں۔ یہ
آج کے ہیں۔ مٹی اب بھی نرم ہے۔"
تینوں کے دل زور زور سے دھڑکنے لگے۔

"یعنی... کوئی اور بھی یہاں آتا ہے؟" بلال کی آواز کانپ رہی تھی۔

"لگتا تو یہی ہے،" ماہم نے کہا۔ اس نے اپنی نوٹ بک نکالی اور نشانوں کی تصویر... نہیں، اس کے پاس کیمرا نہیں تھا۔ اس نے خاکہ بنانا شروع کیا۔

پھر زویار کی نظر ایک چیز پر پڑی — ایک پتھر کے پاس پھنسا ہوا کپڑے کا ایک ٹکڑا۔ اس نے اسے اٹھایا۔ یہ ایک موٹے کپڑے کا ٹکڑا تھا، بھورے رنگ کا۔ جیسے کسی پرانی چادر کا۔ اور اس پر... ایک نشان بنا ہوا تھا۔ ایک گول دائرہ، جس کے اندر ایک ہر کی شکل تھی۔

"یہ کیا ہے؟" بلال نے پوچھا۔

"پتا نہیں،" زویار نے کہا۔ "لیکن یہ یہاں اتفاق سے نہیں آیا۔"

ماہم نے کپڑے کے ٹکڑے کو غور سے دیکھا۔ "یہ نشان... یہ جھیل کی لہروں جیسا ہے۔ جیسے کوئی اس جھیل کی پوجا کرتا ہو۔"

"پوجا؟" بلال نے کہا۔

"یا... حفاظت کرتا ہو،" ماہم نے سوچتے ہوئے کہا۔ "شاید کوئی اس جھیل کا رکھوالا ہے۔"

اسی لمحے، انہیں ایک آواز سنائی دی — پتھروں پر قدموں کی آہٹ۔

تینوں نے پلٹ کر دیکھا۔

درے کی طرف سے ایک بوڑھا شخص آ رہا تھا۔ اس کی کمر جھکی ہوئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی، اور اس کے کندھے پر ایک بکری کی رسی تھی —

جس کے دوسرے سرے پر کوئی بکری نہیں تھی۔ اس کے کپڑے پرانے تھے، لیکن صاف۔ اس کی داڑھی سفید تھی۔ اور اس کی آنکھیں... اس کی آنکھوں میں ہلکا سا نیلا پن تھا۔

تینوں جم گئے۔

بوڑھا ان کے پاس آیا۔ اس نے تینوں کو ایک ایک کر کے دیکھا۔ پھر اس کی نظریں بلال پر ٹھہر گئیں۔

"تم،" اس نے کہا۔ اس کی آواز گہری اور کھردری تھی۔ "تم نے پانی کو چھوا ہے۔"

بلال چپچہہ ہٹا۔ "آپ... آپ کون ہیں؟"

"میں رحمت ہوں۔" بوڑھے نے کہا۔ "لوگ مجھے رحمت بابا کہتے ہیں۔ میں یہاں بکریاں چراتا تھا... کبھی۔" اس نے جھیل کی طرف دیکھا۔ "تم تینوں کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"آپ کو کیسے پتا کہ ہم یہاں آئے تھے؟" زویار نے پوچھا۔ اس نے بہادری سے آگے بڑھنے کی کوشش کی۔

رحمت بابا ہنسا۔ ایک خشک، اداس ہنسی۔ "جھیل بتاتی ہے۔ وہ سب بتاتی ہے۔" اس نے بلال کی طرف دیکھا۔ "اس نے تمہارا نام لیا ہے، ہے نا؟"

بلال کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "آپ کو کیسے..."

"کیونکہ میرے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔" رحمت بابا کی آواز دھیمی ہو گئی۔ "پچاس سال پہلے۔ میں بھی تمہاری عمر کا تھا۔ میں نے بھی پانی کو چھوا تھا۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"پھر کیا ہوا؟" ماہم نے پوچھا۔

رحمت بابا نے اپنی لائٹھی زمین پر ٹیک دی۔ "جھیل نے مجھے ایک خواہش پیش کی۔ میں نے... میں نے اسے قبول کر لیا۔" اس نے رک کر کہا۔ "اور اس نے میری خواہش پوری کی۔ لیکن اس نے مجھ سے کچھ لے بھی لیا۔"

"کیا لیا؟" زویار نے پوچھا۔

"میرا بھائی۔" رحمت بابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "میری خواہش تھی کہ میں سب سے امیر بنوں۔ جھیل نے مجھے سونے کا ایک برتن دیا۔ جھیل کے نیچے سے۔ میں امیر بن گیا۔ لیکن اسی رات... میرا چھوٹا بھائی جھیل میں ڈوب گیا۔ وہ تیرنا جانتا تھا۔ لیکن جھیل نے اسے... لے لیا۔"

خاموشی چھا گئی۔ صرف ہوا کی سرسراہٹ تھی۔ جواب چلنے لگی تھی۔

"جھیل قیمت لیتی ہے،" رحمت بابا نے کہا۔ "ہمیشہ۔ تم جو مانگو گے، وہ دے گی۔ لیکن وہ تم سے کچھ لے گی۔ کچھ ایسا جس کی تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی کہ تم نے کھو دیا ہے، جب تک بہت دیر نہ ہو جائے۔"

"تو ہم کیا کریں؟" بلال نے پوچھا۔ اس کی آوازیں بے بسی تھی۔ "اس نے پہلے ہی مجھے چھو لیا ہے۔"

رحمت بابا نے بلال کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "سنو، بیٹا۔ جھیل صرف انہیں بلاتی ہے جن کے دل میں کوئی ادھوری خواہش ہو۔ تمہاری خواہش کیا ہے؟"

بلال نے نظریں جھکا لیں۔ "میں... میں بہادر بننا چاہتا ہوں۔"

"بہادری اندر سے آتی ہے، بیٹا۔ پانی سے نہیں۔" رحمت بابا نے کہا۔ "جھیل تمہیں بہادر نہیں بنائے گی۔ وہ تمہیں صرف یہ دکھائے گی کہ تم بہادر ہو۔ اور اس دکھاوے کی قیمت تم چکاؤ گے۔"

"تو کیا ہم کبھی اس سے آزاد نہیں ہو سکتے؟" ماہم نے پوچھا۔

رحمت بابا نے جھیل کی طرف دیکھا۔ "ایک طریقہ ہے۔ لیکن وہ آسان نہیں ہے۔" اس نے تینوں کو دیکھا۔ "جھیل ایک آزمائش دیتی ہے۔ تین دلوں کی آزمائش۔ اگر تم تینوں اس میں کامیاب ہو گئے تو جھیل سو جائے گی۔ کم از کم تمہارے لیے۔ لیکن اگر ناکام ہوئے تو..."

"تو کیا؟" زویار نے پوچھا۔

رحمت بابا نے جواب نہیں دیا۔ اس نے صرف جھیل کی طرف دیکھا۔ اور تینوں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں وہی نیلا پن تھا جو بلال کی انگلیوں پر قطروں میں تھا۔

"مجھے جانا ہے،" رحمت بابا نے اچانک کہا۔ "یاد رکھو۔ پانی کو مت چھونا۔ اس کی باتوں پر یقین مت کرنا۔ اور اگر وہ تمہیں خواب میں بلائے تو... اپنی آنکھیں کھلی رکھنا۔"

"رکیں!" ماہم نے کہا۔ "یہ کپڑے کا ٹکڑا۔ یہ آپ کا ہے؟ اس پر یہ نشان کیا ہے؟"

رحمت بابا نے کپڑے کے ٹکڑے کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سا تاثر آیا۔ حیرت اور خوف کا ملا جلا۔ "یہ... یہ میرا نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "یہ نشان... یہ ان لوگوں کا ہے جو جھیل کی پوجا کرتے ہیں۔"

"کون لوگ؟" زویار نے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا۔" رحمت بابا کی آواز کانپ رہی تھی۔ "لیکن اگر وہ یہاں آ رہے ہیں تو... تو کچھ بڑا ہونے والا ہے۔" وہ مڑا اور درے کی طرف چل پڑا۔ جاتے

جاتے اس نے پلٹ کر کہا، "اپنے دوست کا خیال رکھنا۔ جھیل اسے سب سے زیادہ چاہتی ہے۔"

وہ دھند میں غائب ہو گیا۔

تینوں کچھ دیر خاموش کھڑے رہے۔

"تو،" بلال نے آخر کار کہا۔ "ہم نے آج کیا سیکھا؟ ایک۔ جھیل قیمت لیتی ہے۔ دو۔ کوئی اس کی پوجا کرتا ہے۔ تین۔ رحمت بابا کی آنکھوں میں بھی نیلا پن ہے۔"

"اور چار،" ماہم نے کہا۔ اس کی نظریں پانی پر تھیں۔ "ہم اب بھی نہیں جانتے کہ یہ جھیل واقعی کیا ہے۔"

زویار نے کپڑے کے ٹکڑے کو اپنی جیب میں رکھا۔ "ہم پتا لگائیں گے۔"

لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید بات کرتے، ماہم نے ایک ایسی بات کہی جس نے تینوں کو ٹھٹھرا دیا:

"دیکھو۔ پانی میں۔"

تینوں نے پانی میں دیکھا۔

پانی ساکن تھا۔ اس میں ان کے عکس تھے۔ لیکن آج عکس... مختلف تھے۔

زویار کے عکس کے چھپے ایک تخت تھا۔ پانی کا تخت۔ اور اس تخت پر...
زویار خود بیٹھا تھا۔ اکیلا۔ اس کے چہرے پر فخر تھا، لیکن اس کی آنکھوں میں...
تنہائی تھی۔

ماہم کے عکس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ کتاب کھلی تھی۔ اس کے صفحات
خالی تھے۔ لیکن جیسے ہی ماہم نے دیکھا، صفحات پر الفاظ لکھنے لگے۔ خود بخود۔
وہ پڑھ نہیں پاتی کہ کیا لکھا تھا۔

اور بلال کے عکس...

بلال کا عکس پانی میں ڈوب رہا تھا۔ اس کا چہرہ پانی کے نیچے تھا۔ لیکن وہ مسکرا
رہا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" بلال کی آواز کانپ رہی تھی۔

"جھیل ہمیں دکھا رہی ہے،" ماہم نے سرگوشی کی۔ اسے چاچا کریم کی بات یاد آئی
۔ "جھیل جھوٹ نہیں بولتی۔ وہ تمہیں وہ دکھاتی ہے جو تم واقعی ہو۔"

"تو میں... ڈوب رہا ہوں؟" بلال نے پوچھا۔

"نہیں،" زویار نے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں یقین نہیں تھا۔ "یہ صرف... یہ
صرف عکس ہیں۔"

لیکن تینوں جانتے تھے کہ یہ صرف عکس نہیں تھے۔

والیسی پر وہ خاموش تھے۔ ہر ایک اپنے خیالوں میں گم تھا۔ زویار اپنے تخت کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ماہم اپنی کتاب کے بارے میں۔ اور بلال... بلال اپنے ڈوبتے ہوئے عکس کے بارے میں۔

شام کو انہوں نے فیصلہ کیا کہ آج رات تینوں بلال کے گھر رہیں گے۔ اس کی امی نے خوشی سے اجازت دے دی۔ "دوستوں کی نیند والی پارٹی!" انہوں نے کہا تھا۔ انہیں کیا پتا تھا کہ یہ پارٹی نہیں، پہرہ تھا۔

رات کو انہوں نے منصوبہ بنایا۔ وہ باری باری جاگیں گے۔ ایک سونے گا، دو جاگیں گے۔ اگر بلال اٹھے تو اسے روکیں گے۔

پہلی باری زویار اور ماہم کی تھی۔ بلال سو گیا۔ تھکن سے چور۔

رات کے بارہ بجے تک سب ٹھیک تھا۔ پھر ایک بجے... بلال ہلا۔

زویار نے فوراً ماہم کو اشارہ کیا۔ دونوں نے دیکھا۔ بلال اٹھ بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں، لیکن وہ... خالی تھیں۔ وہ سو رہا تھا۔ آنکھیں کھلی رکھے سو رہا تھا۔

وہ اٹھا۔ اس نے اپنے جوتے پہنے۔ اور دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔
"بلال؟" ماہم نے آہستہ سے کہا۔

بلال نے جواب نہیں دیا۔ وہ چلتا رہا۔ جیسے کوئی اسے کھینچ رہا ہو۔

زویار اور ماہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر وہ بھی اٹھے اور اس کے پیچھے
چل پڑے۔ انہوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ
وہ کہاں جاتا ہے۔

بلال گھر سے باہر نکلا۔ گلی میں سنناٹا تھا۔ وہ پہاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔ اسی
راستے پر جو وہ دن میں آئے تھے۔

"ہمیں اسے روکنا چاہیے،" ماہم نے سرگوشی کی۔

"ابھی نہیں،" زویار نے کہا۔ "دیکھتے ہیں وہ کہاں جاتا ہے۔ ہم اس کے ساتھ
ہیں۔"

وہ بلال کے پیچھے چلتے رہے۔ پہاڑی کے دامن تک، پھر پگڈنڈی پر، پھر جنگل
میں۔ رات میں جنگل اور بھی ڈراؤنا تھا۔ درخت سائے کی طرح کھڑے تھے۔
چاندنی شاخوں سے چھن کر زمین پر عجیب شکلیں بنا رہی تھی۔

بلال رکا نہیں۔ وہ چلتا رہا۔ تین دیودار کے درختوں سے گزرا، پھٹی ہوئی چٹان سے گزرا، درے میں داخل ہوا۔

"یہ ناممکن ہے،" ماہم ہانپ رہی تھی۔ "وہ نیند میں ہے۔ وہ یہ راستہ کیسے جانتا ہے؟"

"جھیل اسے بلا رہی ہے،" زویار نے کہا۔ "وہی اسے راستہ دکھا رہی ہے۔" جب وہ درے سے باہر نکلے، تو انہوں نے جو دیکھا وہ ان کی زندگی کا سب سے حیران کن منظر تھا۔

رات میں جھیل... چمک رہی تھی۔

پورا پانی نیلی روشنی سے چمک رہا تھا۔ اتنا روشن کہ آس پاس کے پہاڑ نیلے نظر آرہے تھے۔ دھند بھی چمک رہی تھی۔ یہ ایسا لگ رہا تھا جیسے زمین پر آسمان اتر آیا ہو۔

اور بلال... بلال پانی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے پاؤں کنارے کے نیلے پتھروں پر تھے۔ ایک قدم اور... وہ پانی میں ہوگا۔

"بلال! رکو!" زویار چیخا۔

لیکن بلال نے سنا نہیں۔ یا سن کر بھی نہیں رکا۔

زویار اور ماہم دوڑے۔ انہوں نے بلال کو پکڑنے کی کوشش کی۔

اور اسی لمحے پانی ہلا۔

پانی کی سطح سے ایک ہاتھ نکلا۔ پانی کا بنا ہوا ہاتھ، نیلا اور چمکتا ہوا۔ وہ بلال کی طرف بڑھا۔ اس کی انگلیاں کھلی تھیں۔ بلانے والی، خوش آمدید کہنے والی۔
"نہیں!" ماہم چیخی۔

زویار نے بلال کو چھپے کھینچا۔ اتنے زور سے کہ تینوں زمین پر گر پڑے۔

پانی کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے ہوا میں ٹھہرا رہا۔ جیسے حیران ہو۔ پھر وہ آہستہ آہستہ پانی میں واپس ڈوب گیا۔
جھیل کی چمک مدہم ہونے لگی۔

بلال کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ اب واقعی سو رہا تھا۔

زویار اور ماہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، ان کے چہرے پسینے اور خوف سے بھیکے ہوئے تھے۔

"تم نے دیکھا؟" ماہم کی آواز کانپ رہی تھی۔ "تم نے وہ ہاتھ دیکھا؟"

زویار نے سر ہلایا۔ وہ بول نہیں سکا۔

انہوں نے بلال کو اٹھایا — وہ بھاری تھا، بے ہوش — انہوں نے اسے گھسیٹتے ہوئے درے تک پہنچایا۔

اور جب وہ درے میں داخل ہونے لگے، تو ماہم نے پیچھے مڑ کر ایک آخری نظر ڈالی۔

جھیل اب بھی ہلکی چمک رہی تھی۔ اور پانی کی سطح پر... لہریں تھیں۔ وہی نمونے والی لہریں — دائرے، حروف، شکلیں۔

جیسے پانی کچھ لکھ رہا ہو۔

جیسے پانی کہہ رہا ہو:

"اگلی بار... میں اسے لے جاؤں گی۔"

انہوں نے بلال کو گھسیٹتے ہوئے گھر پہنچایا تھا۔

یہ آسان نہیں تھا۔ بلال بے ہوش تھا، اس کا وزن ان دونوں کے لیے زیادہ تھا۔ وہ درے سے گزرے، جنگل سے گزرے، پگڈنڈی سے اترے۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ جب وہ بلال کے گھر پہنچے تو انہوں نے اسے آہستہ سے اس کے بستر پر لٹایا۔

"اگر امی ابو جاگ گئے تو؟" ماہم نے سرگوشی کی۔

"ہم کہیں گے کہ وہ تھکن سے بے ہوش ہو گیا تھا،" زویار نے کہا۔ "یہ سچ بھی ہے۔ کسی حد تک۔"

بلال کی سانس چل رہی تھی۔ اس کا چہرہ پرسکون تھا۔ لیکن اس کے کپڑے گیلے تھے۔ اور اس کے پاؤں پر نیلے پتھروں کی دھول تھی۔

زویار اور ماہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ انہوں نے جو دیکھا تھا۔ وہ پانی کا ہاتھ۔ وہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے نہیں ہٹ رہا تھا۔

"ہم نے واقعی دیکھا تھا نا؟" ماہم نے پوچھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ ہاتھ... وہ حقیقی تھا؟"

"حقیقی تھا،" زویار نے کہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ وہ اب بھی کانپ رہے تھے۔ "ماہم... یہ کھیل نہیں رہا۔ یہ... یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے۔"

"تو ہم کیا کریں؟" ماہم نے پوچھا۔ "پولیس کو بتائیں؟ ہمارے امی ابو کو؟"

"اور انہیں کیا بتائیں گے؟" زویار نے کہا۔ "کہ ایک جھیل نے ہمارے دوست کو بلایا؟ کہ پانی سے ہاتھ نکلا؟ کون یقین کرے گا؟"

ماہم خاموش ہو گئی۔ وہ جانتی تھی کہ زویار ٹھیک کہہ رہا تھا۔

"پھر ایک ہی راستہ ہے،" زویار نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں وہی پرانی چمک تھی۔ لیکن اب اس میں ڈر بھی تھا۔ "رحمت بابا نے کہا تھا۔ تین دلوں کی آزمائش۔ ہمیں اس آزمائش کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"زویار، تم پاگل ہو گئے ہو؟" ماہم نے کہا۔ "تم نے دیکھا تھا وہ ہاتھ! وہ بلال کو لے جانا چاہتا تھا!"

"اسی لیے ہمیں اس کا سامنا کرنا ہوگا!" زویار نے کہا۔ اس کی آواز میں جذبات تھے۔ "دیکھو، ماہم۔ ہم بھاگ نہیں سکتے۔ بلال پہلے ہی اس سے جڑ چکا ہے۔ وہ نیند میں وہاں جاتا ہے۔ اگر ہم کچھ نہ کریں تو ایک رات... ایک رات ہم اسے روک نہیں پائیں گے۔ اور پھر؟"

ماہم نے بلال کے پرسکون چہرے کو دیکھا۔ اسے یاد آیا کہ بلال نے کہا تھا۔
"میں بہادر بننا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے،" اس نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن ہم تیاری کے ساتھ جائیں گے۔
اور پہلے ہم رحمت بابا سے ملیں گے۔ ہمیں جاننا ہوگا کہ یہ آزمائش ہے کیا۔"

اگلی صبح بلال جاگا تو اسے کچھ یاد نہیں تھا۔

"میں... میں یہاں کیسے آیا؟" اس نے پوچھا۔ اس کا سر درد کر رہا تھا۔
زویار اور ماہم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ پھر انہوں نے اسے سب کچھ بتایا۔
نیند میں چلنا، جھیل تک جانا، چمکتا ہوا پانی، اور... وہ بات تھی۔

بلال کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "تو... تو یہ سچ تھا۔ میں نے خواب نہیں دیکھا تھا۔"

"نہیں،" زویار نے کہا۔ "یہ سچ تھا۔"

بلال نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ "وہ مجھے لے جانا چاہتی تھی۔"

"لیکن ہم نے تمہیں بچا لیا،" ماہم نے اس کا ہاتھ تھاما۔ "اور ہم ہمیشہ بچائیں
گے۔"

"نہیں،" بلال نے اچانک کہا۔ اس کی آواز میں ایک نئی مضبوطی تھی۔ "تم ہمیشہ مجھے نہیں بچا سکتے۔ مجھے خود... مجھے خود اس کا سامنا کرنا ہوگا۔"

زویار اور ماہم نے حیرت سے اسے دیکھا۔ یہ وہ بلال نہیں تھا جو ہمیشہ ڈرتا تھا۔ "رحمت بابا نے کہا تھا۔ تین دلوں کی آزمائش،" بلال نے کہا۔ "تو چلو۔ ہم تینوں اس آزمائش کا سامنا کرتے ہیں۔ ایک ساتھ۔"

دوپہر کو وہ رحمت بابا کو ڈھونڈنے گئے۔

یہ آسان نہیں تھا۔ انہیں نہیں پتا تھا کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ انہوں نے گاؤں میں پوچھا۔ ایک دکاندار نے بتایا کہ رحمت بابا پہاڑی کے اس پار ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتا ہے۔ اکیلا۔ "اس کا کوئی نہیں ہے،" دکاندار نے کہا تھا۔ "اس کا بھائی... برسوں پہلے گم ہو گیا تھا۔"

یہ سن کر تینوں کے دل دہل گئے۔ انہیں رحمت بابا کی کہانی یاد آئی۔

جھونپڑی چھوٹی تھی۔ مٹی کی دیواریں، چھت پر گھاس۔ باہر ایک بوڑھی بکری بندھی تھی۔ رحمت بابا چارپائی پر بیٹھا تھا، اس کی نظریں پہاڑوں کی طرف تھیں۔

جب اس نے تینوں کو دیکھا، تو اس کے چہرے پر حیرت نہیں تھی۔ جیسے وہ ان کا انتظار کر رہا ہو۔

"تم آگئے،" اس نے کہا۔ "بیٹھو۔"
تینوں بیٹھ گئے۔

"بابا،" ماہم نے شروع کیا۔ "ہمیں آزمائش کے بارے میں بتائیں۔ وہ کیا ہے؟"
رحمت بابا نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی۔ پھر اس نے اپنی کہانی سنائی۔
پوری کہانی۔

"جب میں تمہاری عمر کا تھا، تو میں نے بھی پانی کو چھوا تھا۔ جھیل نے مجھے بھی بلایا تھا۔ میری خواہش تھی۔ دولت۔ میں غریب تھا، اور میں امیر بننا چاہتا تھا۔"

"اور آزمائش؟" زویار نے پوچھا۔

"آزمائش یہ تھی کہ جھیل نے مجھے میرا سچ دکھایا۔" رحمت بابا کی آواز دھیمی تھی۔ "پانی میں میں نے خود کو دیکھا۔ ایک ایسا شخص جو دولت کے لیے کچھ بھی کر سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ میں اپنے بھائی سے حسد کرتا تھا۔ کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ خوش تھا، حالانکہ وہ غریب تھا۔ جھیل نے مجھ سے پوچھا۔ کیا تم یہ سچ قبول کرتے ہو؟"

"اور آپ نے کیا کہا؟" بلال نے پوچھا۔

"میں نے انکار کر دیا۔" رحمت بابا کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "میں نے کہا۔ نہیں، میں ایسا نہیں ہوں۔ میں نے سچ سے منہ موڑ لیا۔ اور جھیل نے... جھیل نے میری خواہش پوری کی، لیکن میرا سچ مجھ سے چھین لیا۔ میں امیر بن گیا، لیکن میں نے اپنا بھائی کھو دیا۔ اور میں نے... میں نے خود کو کھو دیا۔"

"تو آزمائش میں کامیابی کا طریقہ کیا ہے؟" ماہم نے پوچھا۔

"سچ کو قبول کرنا۔" رحمت بابا نے کہا۔ "جھیل تمہیں تمہارا عکس دکھائے گی۔ تمہارا اصلی عکس، وہ جو تم خود سے بھی چھپاتے ہو۔ اور تمہیں اسے قبول کرنا ہوگا۔ اس سے لڑنا نہیں۔ اسے گلے لگانا ہوگا۔ اور پھر... تمہیں کچھ دینا ہوگا۔"

"کیا دینا ہوگا؟" زویار نے پوچھا۔

"وہی جو جھیل مانگے۔" رحمت بابا نے کہا۔ "ہر ایک سے مختلف چیز۔ مجھ سے اس نے میرا بھائی لیا۔ کیونکہ میں نے سچ قبول نہیں کیا تھا۔ لیکن اگر تم سچ قبول کر لو تو... تو قیمت کم ہوتی ہے۔ شاید صرف ایک یاد، ایک عادت، ایک خوف۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

"اور اگر ہم آزمائش نہ دیں؟" بلال نے پوچھا۔

رحمت بابا نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "تو جھیل تمہیں لیتی رہے گی، بیٹا۔ ہر رات۔ جب تک تم پوری طرح اس کے نہ ہو جاؤ۔ جیسے... جیسے میرا بھائی۔"

"آپ کا بھائی ڈوب گیا تھا،" ماہم نے آہستہ سے کہا۔ "آپ نے کہا تھا۔"

رحمت بابا نے سر ہلایا۔ "اس کا جسم ملا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں... وہی نیلا پن تھا۔ جھیل نے اسے لے لیا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ڈوبے۔"

خاموشی چھا گئی۔

پھر زویار نے پوچھا، "بابا، آپ ہمارے ساتھ چلیں گے؟ جب ہم آزمائش دیں؟"

رحمت بابا نے سر ہلایا۔ "نہیں۔ یہ تم تینوں کی آزمائش ہے۔ جھیل نے تمہیں چنا ہے۔ میں وہاں ہوا تو جھیل مجھے بھی پھینچ لے گی۔ میں پہلے ہی اس کا مقروض ہوں۔" اس نے تینوں کو دیکھا۔ "لیکن ایک نصیحت سنو۔ ایک دوسرے کا ہاتھ مت چھوڑنا۔ جھیل تمہیں الگ کرنا چاہے گی۔ وہ تمہیں تمہارے سچ سے ڈرائے گی۔ لیکن اگر تم تینوں ساتھ رہے تو... تو تم جیت سکتے ہو۔"

"ہم ساتھ رہیں گے،" تینوں نے ایک ساتھ کہا۔

رحمت بابا مسکرایا۔ پہلی بار۔ "تو جاؤ۔ اور یاد رکھو۔ سچ سے مت ڈرنا۔ سچ تمہارا دشمن نہیں ہے۔"

اگلی صبح، سورج نکلنے سے پہلے، تینوں پھر پہاڑی کے دامن میں تھے۔
اس بار ان کے دلوں میں ڈر تھا۔ لیکن عزم بھی تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامنا تھا۔ رحمت بابا کی نصیحت یاد تھی۔

"سنو،" بلال نے اچانک کہا۔ اس کی آواز صبح کی خاموشی میں گونجی۔ "اگر... اگر ہم میں سے کوئی واپس نہ آیا تو؟"

"ایسی باتیں مت کرو،" ماہم نے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں بھی وہی سوال تھا۔

"نہیں، مجھے کہنے دو،" بلال نے کہا۔ "میں ڈرا ہوا ہوں۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ دکھائے۔ وہ واقعی کانپ رہے تھے۔ "لیکن میں پھر بھی جا رہا ہوں۔ کیونکہ... کیونکہ تم دونوں میرے ساتھ ہو۔ اور کیونکہ میں اب وہ بلال نہیں بننا چاہتا جو ہمیشہ بھاگتا ہے۔"

زویار نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "تمہیں پتا ہے، بلال؟ کل رات میں بھی ڈرا ہوا تھا۔ میں ساری رات سو نہیں پایا۔ میں سوچتا رہا کہ میں نے تم دونوں کو اس مصیبت میں ڈالا ہے۔"

"زویار۔" ماہم نے شروع کیا۔

"نہیں، سچ یہی ہے،" زویار نے کہا۔ "میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ بہادر ہونا یعنی ڈرنا نہیں۔ لیکن اب مجھے لگتا ہے کہ بہادر ہونا یعنی... ڈر کے باوجود آگے بڑھنا۔ جیسے بلال ابھی کر رہا ہے۔"

ماہم نے دونوں کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "تم دونوں جانتے ہو؟ میں نے اپنی پوری زندگی کتابوں میں گزاری ہے۔ میں نے ہزار کہانیاں پڑھی ہیں۔ بہادروں کی، ہیروز کی۔ لیکن میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میں خود کسی کہانی کا حصہ بنوں گی۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ "چاہے آج کچھ بھی ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو گلے لگایا۔ صبح کی ٹھنڈی ہوا میں، پہاڑی کے دامن میں، تین دوست ایک وعدے میں بندھے تھے۔ جو بھی ہوگا، وہ ساتھ سہیں گے۔

سفر خاموشی میں گزرا۔ جنگل، پگڈنڈی، تین دیودار، پھٹی چٹان، درہ۔

جب وہ درے سے باہر نکلے، تو صبح کی روشنی میں جھیل... پر سکون تھی۔ نیلی، ساکن، خاموش۔ لیکن آج اس میں کوئی دھند نہیں تھی۔ پانی بالکل صاف تھا۔ اتنا صاف کہ نیچے کی گہرائی نظر آرہی تھی۔ اور وہ گہرائی... ختم نہیں ہوتی تھی۔

"یہ کتنی گہری ہے؟" بلال نے سرگوشی کی۔

"شاید اس کی کوئی تہہ نہیں ہے،" ماہم نے کہا۔

تینوں کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

"ہم تیار ہیں،" زویار نے بلند آوازیں کہا۔ جھیل سے۔ "ہم آزمائش دینے آئے ہیں۔"

پانی ہلا۔

ہلکی لہریں کنارے سے ٹکرائیں۔ اور پھر... پانی میں عکس بننے لگے۔ پہلے زویار کا عکس۔

زویار نے دیکھا۔ اور اس کی سانس رک گئی۔

پانی میں وہ خود تھا۔ لیکن ایک تخت پر بیٹھا ہوا۔ پانی کا تخت۔ اس کے سر پر ایک تاج تھا۔ نیلا، چمکتا ہوا۔ اس کے چہرے پر فخر تھا۔ لیکن اس کے آس پاس... کوئی نہیں تھا۔ خالی وادی۔ خالی آسمان۔ وہ اکیلا تھا۔

پھر عکس بدلنے لگا۔ زویار نے دیکھا۔ وہی تخت، لیکن اب منظر مختلف تھا۔ اس نے خود کو دیکھا۔ پرانی یادوں میں۔ وہ دیکھا جب اس نے ضد میں بلال کو اس ٹوٹی ہوئی دیوار پر چڑھنے پر مجبور کیا تھا، اور بلال کا پاؤں پھسل گیا تھا۔ وہ دیکھا جب اس نے ماہم کی کتاب چھین کر مذاق اڑایا تھا، اور ماہم کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے۔ وہ دیکھا جب اس نے محلے کے لڑکوں سے لڑائی کی تھی۔ صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتا۔ اور اس کے ابو کو اسے چھڑانے آنا پڑا تھا۔

ہر یاد میں ایک ہی چیز تھی۔ اس کی ضد۔ اس کا یہ یقین کہ وہ ہمیشہ ٹھیک ہے۔ اس کی یہ خواہش کہ سب اسے مانیں۔

"دیکھو،" پانی کی آواز آئی۔ "یہ تم ہو، زویار۔ یہ تمہارا سچ ہے۔ تم بہادر ہو۔ لیکن تمہاری بہادری میں دوسروں کے لیے جگہ نہیں ہے۔ تم دوڑتے ہو۔ لیکن تم کبھی پیچھے ہٹ کر نہیں دیکھتے کہ تمہارے دوست تمہارے ساتھ ہیں یا نہیں۔"

اور پانی سے آواز آئی۔ وہی نرم، گہری آواز:

"زویار... تم ہمیشہ پہلے رہنا چاہتے ہو۔ تمہیں لگتا ہے کہ تم سب سے بہادر ہو، سب سے ہوشیار ہو۔ تم نے اپنے دوستوں کو یہاں لایا۔ خطرے میں ڈالا۔ کیونکہ تمہیں ثابت کرنا تھا کہ تم ٹھیک تھے۔ کیا یہ سچ ہے؟"

زویار کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اس نے اپنے دوستوں کو دیکھا۔ بلال اور ماہم اسے دیکھ رہے تھے۔

"یہ... یہ سچ ہے،" اس نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز ٹوٹ رہی تھی۔ "میں نے تم دونوں کو یہاں لایا۔ میں جانتا تھا کہ خطرہ ہے۔ لیکن میں نے... میں نے اپنی ضد میں تمہاری پرواہ نہیں کی۔"

"زویار... ماہم نے شروع کیا۔"

"نہیں، مجھے کہنے دو،" زویار نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "بلال، تم نے پانی کو چھوا۔ کیونکہ میں نے تمہیں یہاں لایا۔ اگر میں تمہیں نہ لاتا تو... تو تم محفوظ ہوتے۔ مجھے معاف کر دو۔"

بلال نے اس کا ہاتھ دبایا۔ "تم نے معافی مانگ لی۔ یہی کافی ہے۔"

پانی کی آواز پھر آئی: "زویار... کیا تم اپنی یہ ضد چھوڑو گے؟ کیا تم سیکھو گے کہ لیڈر وہ نہیں جو سب سے آگے دوڑے۔ بلکہ وہ ہے جو سب کو ساتھ لے کر چلے؟"

"ہاں،" زویار نے کہا۔ "میں سیکھوں گا۔"

"تو دو مجھے اپنی ضد۔" پانی نے کہا۔ "اپنا وہ جنون جو تمہیں سب سے آگے دھکیلتا ہے۔"

زویار نے آنکھیں بند کیں۔ اس نے محسوس کیا۔ جیسے اس کے سینے سے کچھ نکل رہا ہو۔ ایک گرمی، ایک بے چینی... اور پھر سکون۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں، تو وہ ہلکا محسوس کر رہا تھا۔

"ہو گیا؟" اس نے پوچھا۔

پانی میں اس کا عکس بدل گیا تھا۔ اب وہ تخت پر نہیں تھا۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ تینوں ایک ساتھ۔ اور وہ مسکرا رہا تھا۔

پھر ماہم کی باری تھی۔

پانی میں اس کی کتاب نظر آئی۔ وہی کتاب جو اس نے پہلے دیکھی تھی۔ اس کے صفحات پر الفاظ لکھے جا رہے تھے۔ ان کی کہانی۔ ہر لفظ جو وہ پڑھتی، وہ ان کے سفر کا حصہ تھا۔

"ماہم..." پانی کی آواز آتی۔ "تم ہمیشہ دیکھتی ہو۔ تم نوٹ کرتی ہو، لکھتی ہو، سوچتی ہو۔ لیکن تم کبھی... کودتی نہیں۔ تم ہمیشہ محفوظ فاصلے پر رہتی ہو۔ تمہیں ڈر ہے کہ اگر تم نے کوئی فیصلہ کیا اور وہ غلط نکلا تو...؟"

ماہم کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ یہ سچ تھا۔ وہ ہمیشہ سوچتی تھی، منصوبے بناتی تھی۔ لیکن آخری قدم اٹھانے سے ڈرتی تھی۔

"آج تمہیں ایک فیصلہ کرنا ہوگا،" پانی نے کہا۔ "بغیر سوچے۔ بغیر منصوبے کے۔"

"کیسا فیصلہ؟" ماہم نے پوچھا۔

پانی ہلا۔ اور اچانک۔ بلال پانی کی طرف کھنچنے لگا!

یہ اتنی تیزی سے ہوا کہ کوئی سمجھ نہیں پایا۔ ایک نیلی لہر بلال کے پاؤں سے لپٹی اور اسے پھینچنے لگی۔ بلال چیخا۔

"بلال!" زویار نے اسے پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن ایک اور لہر نے اسے چھپ دھکیل دیا۔

"ماہم!" پانی کی آواز آتی۔ "یہ تمہارا فیصلہ ہے۔ سوچو مت۔ کرو!"

ماہم کے ذہن میں ہزار خیال آئے۔ یہ خطرناک ہے، پانی میں مت جاؤ، پہلے سوچو۔

لیکن اس نے سوچا نہیں۔

وہ کود پڑی۔

اس نے پانی میں چھلانگ لگائی اور بلال کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پانی گرم تھا۔ بہت گرم۔ اس نے بلال کو اپنی طرف کھینچا۔ لہریں ان دونوں کو گھیرنے لگیں۔ اور پھر رک گئیں۔

ماہم نے بلال کو کنارے تک کھینچا۔ دونوں بھگے ہوئے تھے، ہانپ رہے تھے۔ "تم نے کر دکھایا،" پانی کی آوازیں... خوشی تھی؟ "تم نے سوچے بغیر عمل کیا۔ تم نے اپنے خوف کو شکست دی۔"

ماہم نے اپنے بھگے کپڑوں کو دیکھا۔ وہ کانپ رہی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر ایک نئی چمک تھی۔

"تو دو مجھے اپنا خوف،" پانی نے کہا۔ "اپنی وہ دیوار جو تم نے اپنے گرد بنائی ہے۔"

ماہم نے آنکھیں بند کیں۔ اس نے محسوس کیا۔ جیسے اس کے دل سے ایک
بوجھ اتر گیا ہو۔ وہ ہلکی محسوس کر رہی تھی۔ آزاد۔

پانی میں اس کی کتاب بدل گئی تھی۔ اب اس کے صفحات پر صرف ایک جملہ تھا
— بار بار لکھا ہوا:

"کبھی کبھی سوچنا بند کرو اور بس... جیو۔"

اب بلال کی باری تھی۔

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ بلال کا چہرہ سنجیدہ تھا۔ لیکن اس میں ڈر نہیں
تھا۔

پانی میں اس کا عکس نظر آیا۔ وہی ڈوبتا ہوا عکس، مسکراتا ہوا۔

"بلال... پانی کی آواز نرم تھی۔ تقریباً مہربان۔" تم بہادر بننا چاہتے ہو۔ میں
تمہیں بہادر بنا سکتی ہوں۔ ابھی۔ اسی وقت۔"

"کیسے؟" بلال نے پوچھا۔

"میں تمہیں ایک تحفہ دوں گی۔ بہادری کا تحفہ۔ تم کبھی نہیں ڈرو گے۔ تم ہمیشہ سب سے آگے رہو گے۔" پانی کی آوازیں لالچ تھا۔ "بس... مجھے اپنی سب سے قیمتی یاد دے دو۔"

"کون سی یاد؟" بلال نے پوچھا۔

پانی ہلا۔ اور بلال نے دیکھا۔ ایک یاد۔ اس کے بچپن کی یاد۔ وہ پانچ سال کا تھا۔ وہ اندھیرے سے ڈرتا تھا۔ ایک رات بجلی گئی تھی۔ وہ رو رہا تھا۔ اور اس کے ابو نے اسے گود میں اٹھایا تھا اور کہا تھا۔ "ڈرو مت، میرے شیر۔ میں ہوں نا۔"

"یہ یاد..." پانی نے کہا۔ "یہ تمہاری سب سے قیمتی یاد ہے۔ کیونکہ یہ وہ لمحہ تھا جب تم نے سیکھا کہ ڈر کے باوجود... تم محفوظ ہو۔ اگر تم یہ یاد مجھے دے دو تو... تمہیں کبھی ڈر نہیں لگے گا۔ کیونکہ تمہیں یاد ہی نہیں رہے گا کہ ڈر کیا ہوتا ہے۔"

بلال خاموش ہو گیا۔

زویار اور ماہم نے اسے دیکھا۔ ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔ بلال نے اپنی آنکھیں بند کیں۔ اس نے وہ یاد محسوس کی۔ اپنے ابو کی گرم گود، ان کی آواز، وہ تحفظ۔

اور پھر اس نے آنکھیں کھولیں۔

"نہیں،" اس نے کہا۔

پانی ہلا۔ جیسے حیران ہو۔

"نہیں؟" پانی کی آواز میں بے یقینی تھی۔ "تم بہادر نہیں بننا چاہتے؟"

"میں بننا چاہتا ہوں،" بلال نے کہا۔ اس کی آواز مضبوط تھی۔ "لیکن تمہارے تحفے سے نہیں۔ میں خود بنوں گا۔ آہستہ آہستہ۔ اپنی محنت سے۔ اور یہ یاد..." اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "یہ یاد میری ہے۔ یہ مجھے میرے ابو کی یاد دلاتی ہے۔ میں اسے کسی کو نہیں دوں گا۔ تمہیں بھی نہیں۔"

خاموشی چھا گئی۔

پانی ساکن ہو گیا۔ بالکل ساکن۔

پھر۔ پانی چمکنے لگا۔ ہلکی نیلی روشنی۔ لیکن اس باریہ گرم تھی، نرم تھی۔

"تم نے سمجھ لیا،" پانی کی آواز آتی۔ اور اس بار اس میں کوئی لالچ نہیں تھا۔ صرف... احترام تھا۔ "بہادری تحفہ نہیں ہے، بلال۔ بہادری انتخاب ہے۔ تم نے ابھی... سب سے بہادر انتخاب کیا ہے۔"

پانی میں بلال کا عکس بدل گیا۔ اب وہ ڈوب نہیں رہا تھا۔ وہ پانی پر کھڑا تھا۔
مسکراتا ہوا، پر اعتماد۔

"آزمائش مکمل ہوئی،" پانی کی آواز گونجی۔ "تین دل... تین سچ... تین تحفے۔ جھیل
سو جائے گی۔"

پانی کی چمک مدھم ہونے لگی۔ نیلا رنگ ہلکا ہونے لگا۔ اب بھی نیلا، لیکن...
عام نیلا۔ جیسے کوئی عام جھیل ہو۔

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ ان کے چہرے بھیگے ہوئے تھے۔ پانی سے،
آنسوؤں سے، پسینے سے۔

"ہم نے کر دکھایا؟" بلال نے پوچھا۔

"ہم نے کر دکھایا،" زویار نے کہا۔ اس نے دونوں کو گلے لگایا۔ "ہم نے واقعی
کر دکھایا!"

وہ ہنسنے لگے۔ وہ ہنسی جو راحت کی ہوتی ہے، جو آنسوؤں کے بعد آتی ہے۔

واپسی پر وہ ملے۔ ہلکے تھے۔ جیسے ان کے کندھوں سے کوئی بوجھ اتر گیا ہو۔

زویار نے محسوس کیا کہ اس کی ضد کم ہو گئی تھی۔ وہ اب ہر چیز میں پہل کرنے کی جلدی نہیں کر رہا تھا۔ ماہم نے محسوس کیا کہ وہ زیادہ... آزاد تھی۔ اور بلال۔ بلال کے چہرے پر ایک نیا اعتماد تھا۔

"تو اب سب ختم؟" بلال نے پوچھا جب وہ درے سے باہر نکل رہے تھے۔

"لگتا تو یہی ہے،" ماہم نے کہا۔ "جھیل نے کہا تھا۔ وہ سو جانے گی۔"

"اور رحمت بابا؟" زویار نے پوچھا۔ "ہمیں انہیں بتانا چاہیے۔"

لیکن جب وہ اس جگہ پہنچے جہاں رحمت بابا کی جھونپڑی تھی۔ تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

جھونپڑی خالی تھی۔ بکری نہیں تھی۔ چارپائی نہیں تھی۔ صرف... ایک کپڑے کا ٹکڑا تھا۔ وہی بھورا کپڑا، اسی نشان کے ساتھ۔ اور اس کے پاس ایک پرچی تھی۔

ماہم نے پرچی اٹھائی۔ اس پر لکھا تھا:

"تم تینوں نے وہ کر دکھایا جو میں پچاس سال میں نہیں کر سکا۔ جھیل سو گئی ہے۔ تمہارے لیے۔ لیکن یاد رکھو۔ جھیل صرف سوتی ہے، مرتی نہیں۔ اور اس کے راز... اس کے راز ابھی باقی ہیں۔ اپنا خیال رکھنا۔ رحمت"

"وہ چلا گیا،" بلال نے آہستہ سے کہا۔

"شاید اسے اب سکون مل گیا،" ماہم نے کہا۔

تینوں گھر واپس آئے۔ انہوں نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ یہ ان کا راز تھا۔

اگلے کچھ دن... معمول کے مطابق گزرے۔

بلال کی نیند ٹھیک ہو گئی۔ کوئی خواب نہیں، کوئی نیند میں چلنا نہیں۔ زویار نے محسوس کیا کہ وہ اب زیادہ سنتا تھا، کم بولتا تھا۔ ماہم نے اپنی نوٹ بک میں ان کی کہانی لکھنی شروع کی۔ ہر تفصیل، ہر لمحہ۔

سب کچھ ٹھیک تھا۔

بلال اب رات کو پر امن سوتا تھا۔ اس نے اپنے ابو کو بھی۔ بغیر پوری کہانی بتائے۔ کہا تھا کہ وہ ان سے بہت پیار کرتا ہے۔ اس کے ابو نے حیرت سے اسے دیکھا تھا، پھر مسکرا کر اسے گلے لگایا تھا۔ "میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں، میرے شیر،" انہوں نے کہا تھا۔ اور بلال کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ خوشی کے۔

زویار بدل گیا تھا۔ اس کے دوستوں نے محسوس کیا۔ وہ اب باتیں سنتا تھا۔ اسکول میں جب کوئی نیا منصوبہ بنتا تو وہ پہلے سب کی رائے لیتا۔ ایک دن اس نے ماہم سے کہا، "تم جانتی ہو؟ لیڈر ہونا اتنا آسان نہیں جتنا میں سمجھتا تھا۔"

ماہم نے اپنی نوٹ بک بھر دی تھی۔ ان کی کہانی کے ہر باب سے۔ اس نے اسے ایک نام بھی دیا تھا: "نبلی جھیل کا جادو"۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ایک دن۔ شاید بہت سال بعد۔ وہ یہ کہانی کسی کو سنائے گی۔

ایک شام تینوں چھت پر بیٹھے تھے۔ چائے پی رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ عام باتیں۔ اسکول، کرکٹ، آنے والے امتحان۔

"تمہیں یاد ہے؟" بلال نے کہا۔ "جب ہم پہلی بار جھیل گئے تھے؟ میں کتنا ڈرا ہوا تھا؟"

"اور اب؟" زویا نے پوچھا۔

بلال نے مسکرا کر چاند کو دیکھا۔ "اب بھی ڈرتا ہوں۔ لیکن اب میں جانتا ہوں کہ ڈرنا ٹھیک ہے۔"

تینوں منسے۔ یہ ایک اچھی شام تھی۔

لیکن کہانیاں کبھی اتنی آسان نہیں ہوتیں۔

ایک رات - آزمائش کے ٹھیک ایک مہینے بعد - ماہم اپنی میز پر بیٹھی اپنی نوٹ بک میں لکھ رہی تھی۔ وہ ان کی کہانی کا آخری باب لکھ رہی تھی۔ اس نے لکھا:

"اور اس طرح تینوں دوستوں نے جھیل کی آزمائش پاس کی۔ جھیل سو گئی۔ اور وہ تینوں..."

وہ رکی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ آگے کیا لکھے۔

پھر اس نے نوٹ بک کا صفحہ پلٹا۔

اور اس کا دل رک گیا۔

اگلے صفحے پر کچھ لکھا تھا۔

اس کی اپنی پینڈرائٹنگ میں لکھا تھا - لیکن... پرانی - زیادہ پختہ - جیسے یہ اس نے لکھا ہو - لیکن کئی سال بعد -

اور اس نے یہ نہیں لکھا تھا - اسے یاد تھا - اس نے یہ صفحہ خالی چھوڑا تھا -

اس نے پڑھنا شروع کیا - اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے:

"پیارے ماہم،

اگر تم یہ پڑھ رہی ہو تو اس کا مطلب ہے کہ وقت آگیا ہے۔

تم نے سوچا تھا کہ آزمائش ختم ہو گئی۔ تم نے سوچا تھا کہ جھیل سو گئی۔
لیکن سنو۔ جھیل صرف سوتی ہے۔ اور نیند میں... وہ خواب دیکھتی ہے۔
تم تینوں نے دروازہ کھول دیا ہے۔ وہ دروازہ جو سو سال سے بند تھا۔ اور
دروازے کے اس پار... وہ جاگ گیا ہے۔
وہ جو تارے کے ساتھ آیا تھا۔ وہ جو جھیل کے نیچے سوتا ہے۔
کل رات وہ بلاتے گا۔ اور اس بار... وہ اکیلا نہیں آئے گا۔
تیار رہنا۔

— ماہم —

ماہم نے نوٹ بک گرا دی۔ وہ کانپ رہی تھی۔
یہ کس نے لکھا تھا؟ کب لکھا تھا؟
اس نے کھرکی سے باہر دیکھا۔ رات تھی۔ چاند تھا۔
اور دور... بہت دور... پہاڑوں کی طرف سے... ایک ہلکی نیلی روشنی نظر آرہی
تھی۔
اس کا فون بجا۔

نامعلوم نمبر۔

اس نے کانپتے ہوئے فون اٹھایا۔

دوسری طرف... پانی کی آواز تھی۔ لہروں کی آواز۔

اور پھر ایک سرگوشی۔ وہی نرم، گہری آواز:

"ماہم... کل رات... ہم پھر ملیں گے..."

فون کٹ گیا۔

ماہم نے فوراً زویار اور بلال کو میسج کیا۔ صرف تین الفاظ:

"وہ واپس آگیا ہے۔"

رات کے بارہ بج رہے تھے۔

ماہم اپنے کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ میں فون تھا، اور میز پر وہ نوٹ بک کھلی تھی۔ وہی صفحہ۔ اس کی اپنی ہینڈ رائٹنگ، لیکن پرانی اور پختہ۔ وہ الفاظ جو اس نے کبھی نہیں لکھے تھے:

"کل رات وہ بلائے گا۔ اور اس بار... وہ اکیلا نہیں آئے گا۔"

اس نے کانپتے ہاتھوں سے زویار کا نمبر ملایا۔

"زویار... تمہیں ابھی آنا ہوگا۔ بلال کو بھی ساتھ لے کر آؤ۔"

"اس وقت؟ کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟"

"نہیں،" ماہم نے کہا۔ "میں ٹھیک نہیں ہوں۔ اور شاید... شاید ہم میں سے کوئی بھی ٹھیک نہیں رہے گا۔"

آدھے گھنٹے بعد تینوں ماہم کے گھر کی چھت پر تھے۔ چاندنی تھی۔ ماہم نے انہیں نوٹ بک دکھائی۔ زویار نے صفحہ پڑھا، اس کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ بلال نے پڑھا اور اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

"یہ... یہ تم نے لکھا ہے؟" بلال نے پوچھا۔

"میں نے نہیں لکھا،" ماہم نے کہا۔ "میں قسم کھاتی ہوں۔ یہ صفحہ خالی تھا۔ اور یہ بینڈ رائٹنگ... دیکھو۔ یہ میری ہے، لیکن... جیسے میں دس سال بعد لکھوں گی۔"

"اور وہ فون کال؟" زویار نے پوچھا۔

"نا معلوم نمبر۔ پانی کی آواز۔ اور وہی سرگوشی۔ کل رات... ہم پھر ملیں گے۔"

خاموشی چھا گئی۔ دور کہیں کتا بھونکا۔

"کل رات،" زویار نے آہستہ سے کہا۔ "یعنی ہمارے پاس ایک دن ہے۔"

"ایک دن کس لیے؟" بلال نے پوچھا۔ اس کی آواز میں ڈر تھا۔

"تیاری کے لیے،" ماہم نے کہا۔ "اور یہ جاننے کے لیے کہ 'وہ' ہے کون۔ ہم اندھیرے میں نہیں جاسکتے۔"

"اور ہم یہ کیسے جانیں گے؟" بلال نے پوچھا۔

ماہم نے چاند کی طرف دیکھا۔ "دکاندار۔ وہی بوڑھا دکاندار جس نے مجھے ستارے کی کہانی سنائی تھی۔ اسے اور بھی کچھ معلوم ہوگا۔"

اگلی صبح ماہم اکیلی بازار گئی۔

دکاندار اپنی دکان پر بیٹھا تھا۔ جب اس نے ماہم کو دیکھا تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"تم پھر آئی ہو،" اس نے کہا۔ یہ سوال نہیں تھا۔

"مجھے سچ جانا ہے،" ماہم نے کہا۔ "پورا سچ۔ وہ تارا کیا تھا؟ اور وہ کون ہے جو جھیل کے نیچے سوتا ہے؟"

دکاندار نے کچھ دیر اسے دیکھا۔ پھر اس نے دکان کا دروازہ بند کیا اور اسے اندر بٹھایا۔

"سو سال پہلے جو آسمان سے گرا تھا..." اس نے آہستہ سے شروع کیا، "وہ تارا نہیں تھا، بیٹی۔ تارے نہیں گرتے۔"

"تو پھر کیا تھا؟"

"ایک مسافر تھا۔" دکاندار کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔ "کہیں دور سے آیا تھا۔
جہاں سے تارے آتے ہیں۔ وہ یہاں اتر... اور واپس نہ جاسکا۔"
ماہم کی سانس رک گئی۔ "وہ... زندہ تھا؟"

"ہے۔" دکاندار نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "وہ سو رہا ہے۔ جھیل کے
نیچے۔ سو سال سے۔ اور اس کے خواب... بیٹی، یہ جھیل اس کے خواب ہیں۔
یہ پانی اس کے خواب ہیں۔"
"اور جنہیں جھیل نے لیا؟"

"وہ اس کے خواب میں شامل ہو گئے۔" دکاندار نے اس کی کلائی پکڑ لی۔ اس کی
گرفت مضبوط تھی۔ "سنو، بیٹی۔ تم تینوں نے دروازہ کھول دیا ہے۔ تمہاری
آزمائش نے اسے بچھڑھوڑ دیا ہے۔ وہ جاگ رہا ہے۔ اور جب وہ پوری طرح
جاگے گا تو اس کے ساتھ بھی جاگیں گے۔ تمہاری نوٹ بک میں جو لکھا ہے۔
'وہ اکیلا نہیں آئے گا'۔ اس کا یہی مطلب ہے۔"

"وہ کیا چاہتا ہے؟" ماہم نے پوچھا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

دکاندار نے کھڑکی سے باہر پہاڑوں کی طرف دیکھا۔ "گھر جانا چاہتا ہے۔" ایک
طویل خاموشی۔ "لیکن سو سال کے خواب کے بعد... مجھے ڈر ہے کہ اسے یاد

نہیں رہا کہ گھر کہاں ہے۔ اور جو مسافر بھٹک جاتا ہے... وہ اپنے ساتھ سب کو لے جانا چاہتا ہے۔"

شام کو تینوں پھر چھت پر ملے۔ ماہم نے سب کچھ بتایا۔
"تو وہ ہمیں اپنے خواب میں لینا چاہتا ہے،" زویار نے کہا۔ "ہم اسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔"

"لیکن کیسے روکیں گے؟" بلال نے پوچھا۔ "وہ تو... وہ تو تاروں سے آیا ہے!"
ماہم نے اپنی نوٹ بک کھولی۔ "رحمت بابا نے کہا تھا۔ 'سچ سے مت ڈرنا۔' شاید... شاید اس مسافر کو بھی کسی سچ کی ضرورت ہے۔ شاید کوئی اس سے کبھی بات کرنے نہیں گیا۔ سب صرف ڈرتے رہے۔"

"تو تم کہہ رہی ہو کہ ہم اس سے بات کریں؟" زویار نے پوچھا۔
"ہاں۔" ماہم نے کہا۔ "آج رات۔ کل رات کا انتظار نہیں کریں گے۔ ہم پہلے جائیں گے۔"

بلال نے گہری سانس لی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ لیکن اس نے سر ہلایا۔ "ٹھیک ہے۔ میں... میں تیار ہوں۔"

انہوں نے تیاری کی — ایک مضبوط رسی، تین ٹارچ، اور ماہم کی نوٹ بک۔
انہوں نے رسی سے اپنی کلاٹیاں باندھ لیں — "ایک دوسرے کا ہاتھ مت
چھوڑنا۔"

رات کے دو بجے وہ جھیل کے کنارے کھڑے تھے۔

جھیل جاگ رہی تھی۔

نبیٰ روشنی پہلے سے کہیں تیز تھی — اور وہ دھڑک رہی تھی۔ جیسے دل کی
دھڑکن۔ پانی ساکن نہیں تھا — وہ سانس لے رہا تھا۔ اوپر اٹھتا، نیچے گرتا۔ اوپر
اٹھتا، نیچے گرتا۔

"یہ... یہ زندہ ہے،" بلال نے سرگوشی کی۔

زویار نے قدم آگے بڑھایا۔ اس کی آواز صاف اور مضبوط تھی — وہ پرانا زویار
نہیں تھا جو صرف چیختا تھا۔

"ہم تم سے بات کرنے آئے ہیں!" اس نے بلند آواز میں کہا۔ "مسافر! ہم
جانتے ہیں کہ تم وہاں ہو!"
پانی رک گیا۔ بالکل ساکن۔

پھر۔ ایک آواز آئی۔ یہ جھیل کی وہ نرم آواز نہیں تھی جسے وہ جانتے تھے۔ یہ گہری تھی، پرانی تھی۔ اور اس میں اتنا دکھ تھا کہ تینوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تین دل... آواز نے کہا۔" تم نے دروازہ کھولا۔ تم نے میرے خواب میں دراڑ ڈال دی۔"

"ہمیں معاف کر دو،" ماہم نے کہا۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی، لیکن وہ چھپ نہیں ہٹی۔ "ہمیں نہیں معلوم تھا۔ لیکن... تم کون ہو؟ تم یہاں کیسے آئے؟"

خاموشی۔ پھر آواز آئی۔ آہستہ، جیسے کوئی بہت دور سے بول رہا ہو:

"میں... یاد نہیں۔ میں تاروں کے پار سے آیا تھا۔ میرا... میرا گھر... وہاں روشنی تھی۔ بہت سی روشنیاں۔ پھر... گرنا۔ پھر نیند۔ لمبی نیند۔"

"تم سو سال سے سو رہے ہو،" ماہم نے کہا۔

"سو سال... آواز میں حیرت تھی۔ "اتنا وقت؟ میرے خواب... میرے خواب پانی بن گئے۔ اور پانی میں... میں نے ساتھی بنائے۔ تاکہ میں اکیلانہ رہوں۔"

"لیکن تم نے انہیں زبردستی رکھا،" بلال نے کہا۔ اس کی آواز میں وہ نئی مضبوطی تھی۔ "یہ غلط ہے۔ کسی کو زبردستی خواب میں نہیں رکھا جاسکتا۔"

"اکیلا..." آواز ٹوٹ گئی۔ "میں اکیلا نہیں رہنا چاہتا۔ سو سال کا اکیلا پن... تم نہیں سمجھ سکتے۔"

تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس آواز میں اتنا دکھ تھا کہ ان کے دل پگھلنے لگے۔

"ہم سمجھتے ہیں،" ماہم نے نرمی سے کہا۔ "لیکن سنو۔ تمہیں گھر کا راستہ یاد نہیں، ٹھیک ہے؟ تو ہم تمہاری مدد کریں گے۔ ہم مل کر ڈھونڈیں گے۔ لیکن اس کے لیے تمہیں جاگنا ہوگا۔ اور اپنے ساتھیوں کو چھوڑنا ہوگا۔ انہیں ان کے گھروں واپس جانے دو۔"

"نہیں!" آواز میں پہلی بار غصہ تھا۔ پانی ملنے لگا۔ "وہ میرے ہیں! وہ میرے خواب ہیں! اگر میں جاگ گیا تو خواب ختم ہو جائیں گے۔ اور وہ... وہ ختم ہو جائیں گے!"

"نہیں ہوں گے،" ماہم نے جلدی سے کہا۔ "خواب ختم ہونے کا مطلب موت نہیں ہے۔ اس کا مطلب... جاگنا ہے۔ ان کے لیے بھی۔"

پانی ساکن ہو گیا۔

اور پھر۔ پانی چمکنے لگا۔ تیز، تیز تر۔

"دیکھو!" بلال چیخا۔

پانی کے نیچے سے... شکلیں اوپر آرہی تھیں۔

انسانی شکلیں۔ درجنوں۔ ان کی آنکھیں نیلی تھیں۔ وہی نیلا پن۔ وہ آہستہ آہستہ اوپر آرہے تھے، پانی سے باہر۔ ان میں ایک نوجوان تھا۔ رحمت بابا جیسا چہرہ۔

"اس کا بھائی،" ماہم نے سرگوشی کی۔

اور پھر۔ سب سے آخر میں۔ ایک لڑکی۔

اس کے ہاتھ میں ایک نوٹ بک تھی۔

ماہم کی سانس رک گئی۔

وہ لڑکی... وہ خود تھی۔ لیکن بڑی۔ اس کی آنکھیں نیلی تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک اداس مسکراہٹ تھی۔

وہ لڑکی کنارے پر آئی۔ اس نے ماہم کی طرف دیکھا۔ اور ماہم کی اپنی آواز میں کہا:

"ڈرو مت... میں تم ہی ہوں۔"

قسط 5 — بڑی ماہم کا سوال

پانی سے اٹھنے والی شکل ماہم کی طرح نہیں تھی۔ بلکہ بالکل ماہم جیسی تھی۔ وہی چہرہ، وہی آنکھیں، لیکن آنکھوں کا رنگ... گہرا نیلا، جیسے جھیل کا سب سے گہرا حصہ۔ اس کے ہاتھ میں وہی نوٹ بک تھی جو ماہم کی ماں نے اسے اسکول کے پہلے دن دی تھی۔

"ڈرو مت..." بڑی ماہم نے کہا، اور اس کی آواز دھند کے پار گونجی۔ "میں تم ہی ہوں۔"

بلال کے دانت بچ رہے تھے، ٹھنڈ سے نہیں، خوف سے۔ "یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"یہ وہی ہے جسے جھیل نے لیا تھا،" زویار نے دھیرے سے کہا، اس کی نظر بڑی ماہم کے چہرے سے نہ ہٹتی۔ "ہے نا؟"

بڑی ماہم نے سر ہلایا۔ "میں وہ ماہم ہوں جو تین سال بعد جھیل کے پاس آئی تھی۔ وہی خواہش... وہی دعا... جو پوری نہیں ہوئی۔ جھیل نے مجھے لیا، اور اب میں مسافر کے خواب کا حصہ ہوں۔"

"خواب؟" ماہم (اصلی ماہم، چھوٹی ماہم)۔ اب اسے خود کو سمجھانے کے لیے الفاظ کی ضرورت تھی) نے قدم چھپے بیٹایا۔ "دکان والے نے کہا تھا... جھیل مسافر کا خواب ہے۔"

"ہاں،" بڑی ماہم نے کہا۔ "اور خواب میں وقت مختلف چلتا ہے۔ یہاں ایک سو سال وہاں کے ایک لمحے کے برابر ہیں۔ مسافر سویا ہوا ہے، لیکن اس کا خواب جاگ رہا ہے۔ اور اب..."

وہ رکی۔ اس کے چھپ پانی سے اٹھی ہوئی درجنوں شکلیں آہستہ آہستہ ساحل کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ نیلی آنکھیں۔ خاموش چہرے۔

"اب وہ جاگنے والا ہے،" بڑی ماہم نے کہا۔ "تمہاری آزمائش تین دلوں نے اسے جھنجھوڑ دیا۔ جب تین دل ایک ہو کر بات کرتے ہیں، تو خواب کی دیواریں ہلتی ہیں۔"

زویار نے اپنی کلائی کی رسی کو مضبوطی سے پکڑا۔ وہ رسی جس سے تینوں ایک دوسرے سے بندھے تھے۔ "تو وہ چاہتا کیا ہے؟ مسافر ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

بڑی ماہم نے جھیل کی طرف دیکھا۔ پانی کے نیچوں نیچے ایک بڑا سا بلبلا اٹھ رہا تھا، جیسے کوئی بہت بڑی چیز نیچے سے سانس لے رہی ہو۔

"وہ گھر جانا چاہتا ہے،" اس نے کہا۔ "ایک سو سال سے وہ یہی خواب دیکھ رہا ہے۔ کہ وہ اپنے گھر لوٹ گیا ہے۔ اور ہر وہ شخص جسے جھیل نے لیا، اس خواب میں اس کے ساتھ ہے۔ ہم اس کی تنہائی بھر دیتے ہیں۔ ہم اس کا گھر بن گئے ہیں۔"

"تو مسئلہ کیا ہے؟" بلال نے کہا، اور پھر فوراً اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا، جیسے اسے احساس ہوا ہو کہ سوال کتنا بے وقوفانہ تھا۔

بڑی ماہم کی نیلی آنکھوں میں دکھ اتر ا۔ "مسئلہ یہ ہے کہ خواب اب ٹوٹنے والا ہے۔ اور جب خواب ٹوٹے گا، تو ہم سب۔ جھیل نے جنہیں لیا، وہ سب۔ ہم کہاں جائیں گے؟ ہم تو خواب کے اندر رہتے ہیں۔ خواب کے باہر ہماری کوئی جگہ نہیں۔"

خاموشی چھا گئی۔ صرف پانی کی ہلکی سی چھپ چھپ سنائی دے رہی تھی۔

"تم مجھے وہ صفحہ کیوں بھیجا؟" چھوٹی ماہم نے پوچھا، اس کی آواز کانپ رہی تھی۔ "وہ نوٹ... وہ اکیلا نہیں آئے گا۔" اس کا کیا مطلب تھا؟

"مطلب یہ تھا،" بڑی ماہم نے اپنے پیچھے ہاتھ بڑھایا، "کہ وہ اپنے ساتھ ہمیں بھی لے کر آئے گا۔ ہم سب کو۔ جاگتے ہوئے مسافر کے ساتھ ہم سب جاگ جائیں گے۔ اور پھر ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا۔"

"کیسا فیصلہ؟"

"یا تو ہم مسافر کو جگائیں۔ اسے اس کے خواب سے نکالیں، اسے گھر جانے دیں۔ اور اس کے ساتھ ہم سب بھی... ہم سب بھی ختم ہو جائیں۔ کیونکہ خواب کے کردار خواب کے باہر زندہ نہیں رہتے۔" بڑی ماہم کی آواز ٹوٹنے لگی۔ "یا پھر... ہم اسے سونے دیں۔ خواب جاری رکھیں۔ اور تم تینوں..."

"ہم تینوں کیا؟" زویار نے پوچھا۔

بڑی ماہم نے ان تینوں کو دیکھا، اور اس کی نیلی آنکھوں میں آنسو چمکے۔ اصلی آنسو، جو گالوں پر بہہ کر پانی میں گرے اور ہلکی سی چھنک کی آواز پیدا کی۔

"خواب کو جاری رکھنے کے لیے نئے دل چاہئیں۔ تین دل۔ جو رضامندی سے آئیں، جو اپنی خواہش خود لے کر آئیں۔" اس نے رسی کی طرف دیکھا جس سے تینوں بندھے تھے۔ "تم نے خود کو باندھ لیا ہے۔ تم نے پہلے ہی پہلا قدم اٹھا لیا ہے۔"

بلال کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "نہیں... نہیں، ہم تو صرف بات کرنے آئے تھے!"

"میں جانتی ہوں،" بڑی ماہم نے نرمی سے کہا۔ "میں بھی صرف بات کرنے آئی تھی۔ تین سال بعد۔ میری خواہش تھی کہ..." وہ رکی۔ "میں تمہیں نہیں بتاؤں

گی کہ میری خواہش کیا تھی۔ کچھ خواہشیں اتنی نجی ہوتی ہیں کہ انہیں خواب میں بھی چھپا کر رکھنا پڑتا ہے۔"

چھوٹی ماہم کے دل میں ایک عجیب سا دھچکا لگا۔ اس نے اپنی نوٹ بک کی طرف دیکھا۔ وہ نوٹ بک جو بڑی ماہم کے ہاتھ میں تھی، اور ایک جیسی نوٹ بک اس کے اپنے تھیلے میں۔

"وہ صفحہ،" اس نے کہا، "تم نے لکھا تھا۔ تم نے مجھے خبردار کیا تھا۔ کیوں؟ اگر تم خواب کا حصہ ہو، تو تم ہمیں کیوں بچانا چاہتی ہو؟"

بڑی ماہم مسکراتی۔ ایک ایسی مسکراہٹ جو خوشی اور دکھ دونوں سے بھری تھی۔ "کیونکہ میں تم ہوں۔ اور میں جانتی ہوں کہ تم وہ غلطی نہیں کرو گی جو میں نے کی تھی۔ میں نے اپنی خواہش کے سچے سب کچھ دے دیا۔ تم... تم ہوشیار ہو۔ تم کتابیں پڑھتی ہو۔ تم سوچتی ہو۔"

اچانک جھیل کے نیچ والا بلبل اٹھٹا۔

ایک آواز آئی۔ گہری، پرانی، جیسے پہاڑوں کے نیچے سے کوئی بول رہا ہو۔ وہ کوئی زبان نہیں تھی جو تینوں جانتے تھے، لیکن پھر بھی انہیں سمجھ آگئی۔ جیسے الفاظ دل میں اتر رہے ہوں، کانوں میں نہیں۔

"میرے بچو... مت جاؤ... مجھے اکیلا مت چھوڑو..."

زویار کے قدم خود بخود پانی کی طرف بڑھے۔ بلال نے اسے پکڑا۔ "زویار! رکو!"
 "وہ... وہ رو رہا ہے،" زویار نے کہا، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ "تم سن نہیں رہے؟ وہ ایک سو سال سے اکیلا ہے۔"

"یہی تو اس کا ہتھیار ہے،" چھوٹی ماہم نے جلدی سے کہا، اپنی کتابوں والا دماغ کام میں لاتے ہوئے۔ "ہمدردی۔ وہ ہمیں اپنے دکھ سے باندھتا ہے۔ بڑی ماہم — تم نے کہا تھا کہ خواب ٹوٹنے والا ہے۔ کیا ہم اسے روک سکتے ہیں؟ کوئی تیسرا راستہ ہے؟"

بڑی ماہم نے چونک کر اسے دیکھا۔ "تیسرا راستہ؟"

"ہاں۔ نہ اسے جگائیں، نہ خود کو دیں۔ کچھ اور۔" ماہم کی آنکھوں میں وہ چمک آ گئی جو اس وقت آتی تھی جب وہ کسی مشکل سوال کا جواب ڈھونڈ لیتی تھی۔
 "دکان والے نے کہا تھا۔ جھیل مسافر کا خواب ہے۔ خواب کا مطلب ہے کہ مسافر خود اسے بدل سکتا ہے۔ اگر ہم اسے سکھا دیں کہ خواب میں اکیلا ہونا ضروری نہیں۔ کہ وہ خواب کے اندر بھی..."

"کہ وہ خواب کے اندر بھی گھر بنا سکتا ہے؟" بڑی ماہم نے جملہ مکمل کیا، اور پہلی بار اس کے چہرے پر حیرت کی جھلک آئی۔ "تم کہنا چاہتی ہو کہ ہم اسے خواب بدلنا سکھائیں؟"

"کیوں نہیں؟" ماہم نے کہا۔ "اگر وہ اتنا طاقتور ہے کہ ایک پوری جھیل اس کا خواب ہے، تو وہ خواب بدل بھی سکتا ہے۔ اسے کسی کو لینے کی ضرورت نہیں۔ وہ خواب میں وہ سب بنا سکتا ہے جو اسے چاہیے۔"

پانی سے اٹھی ہوئی شکلوں میں ہلچل مچی۔ نیلی آنکھیں ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ جیسے یہ خیال ان کے لیے نیا تھا۔ جیسے ایک سو سال میں کسی نے یہ نہیں سوچا تھا۔

اور تب مسافر کی آواز پھر آئی۔ لیکن اس بار مختلف تھی۔ اس بار اس میں... امید تھی؟

"سکھاؤ... مجھے... سکھاؤ..."

بڑی ماہم نے چھوٹی ماہم کا ہاتھ پکڑا۔ اس کا ہاتھ ٹھنڈا تھا، لیکن نرم۔ "تم واقعی مجھ سے زیادہ ہوشیار ہو،" اس نے سرگوشی کی۔ "لیکن سنو۔ ایک بات یاد رکھنا۔ خواب بدلنے کی قیمت بھی ہوتی ہے۔ اور اس بار قیمت..."

"کیا؟" تینوں نے ایک ساتھ پوچھا۔

بڑی ماہم نے جھیل کے اس پار اشارہ کیا، جہاں پہاڑوں کے چھبے آسمان پر ایک عجیب سی روشنی نمودار ہو رہی تھی۔ نیلی نہیں، سنہری۔ اور اس روشنی میں، ایک شکل اتر رہی تھی۔

"وہ آرہا ہے،" بڑی ماہم نے کہا، اس کی آواز میں خوف تھا۔ "مسافر اکیلا نہیں سویا تھا۔ اس کے ساتھ... اس کا ساتھی بھی تھا۔ جو ایک سو سال سے اس خواب سے باہر انتظار کر رہا ہے۔ اور وہ نہیں چاہتا کہ خواب بدلے۔"

سنہری روشنی قریب آتی گئی۔ اور اس میں سے ایک آواز آئی — ٹھنڈی، واضح، اور غصے سے بھری:

"میرے خواب کو ہاتھ مت لگاؤ، چھوٹی لڑکی۔"

قسط 6 — بُلَاہٹ اور جاگنے کی قیمت

بلبلہ پانی کے بیچ میں اٹھ رہا تھا۔ اور نیچے سے کوئی اتنا بڑا تھا کہ جھیل اسے چھپا نہیں سکتی تھی۔

زاویار کا ہاتھ میری کلائی پر اتنا زور سے تھا کہ خون رک گیا تھا۔ بلال نے تو سانس لینا ہی بھول دیا تھا۔ ہم تینوں کنارے پر کھڑے تھے، اور جھیل کی ساری نیلی روشنی اس بلبلہ کے اندر جمع ہو رہی تھی، جیسے کوئی دیو اپنا سینہ پھلا کر سانس پھینچ رہا ہو۔

بڑی مہام۔ یا وہ جو تین سال بعد کی میں تھی۔ ہمارے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی نیلی آنکھیں بلبلہ پر جمی تھیں، اور اس کے چہرے پر وہی خوف تھا جو آئینے میں اپنا عکس بدلتے دیکھنے پر آتا ہے۔

"تم نے تین دلوں کی آزمائش میں جھیل کے خواب کی دیواریں ہلا دیں تھیں،" وہ دھیرے سے بولی، بغیر پلکیں جھپکائے۔ "خواب میں دراڑ پڑ گئی۔ اور اب... اب وہ دراڑ سے باہر جھانک رہا ہے۔"

"کون؟" بلال کی آواز لرز رہی تھی۔ "وہ 'وہ' کون ہے؟ تم نے کاغذ پر لکھا تھا۔ 'وہ جاگ گیا ہے۔'"

بڑی مہام نے میری طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹ ملتے رہے، جیسے بولنا اسے تکلیف دے رہا ہو۔ پھر اس نے پانی کی طرف اشارہ کیا۔

"سو سال پہلے جو ستارہ گرا تھا..." اس نے کہا، "وہ ستارہ نہیں تھا۔"

زاویار نے میرے بازو کو اور زور سے پکڑا۔ "کیا مطلب؟"

"وہ ایک مسافر تھا۔" بڑی مہام کی آواز پانی کی لہروں جیسی اترتی چڑھتی تھی۔ "آسمان سے پار کا ایک مسافر۔ اس کا جہاز ٹوٹ گیا، وہ یہاں گرا۔ اور گرنے کے زخم نے اسے ایسی نیند سلا دی جو سو سال سے نہیں ٹوٹی۔ یہ جھیل اس کی نیند ہے۔ اس کا خواب۔ اور ہم سب۔ ہم سب اس کے خواب کے اندر رہے ہیں۔"

میرے پیروں تلے پتھر بل رہے تھے۔ نہیں۔ زمین نہیں بل رہی تھی، پانی بل رہا تھا۔ بلبہ اب ایک گھر جتنا بڑا ہو چکا تھا، اور اس کے اندر کچھ حرکت کر رہا تھا۔ کوئی شکل، کوئی سایہ، جو انسان جیسا بھی تھا اور نہیں بھی۔

"تو وہ جاگنا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "یہی تو اچھی بات ہے نا؟"

بڑی مہام نے سر ہلایا۔ اور پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنسو آئے۔ نیلے آنسو۔ "تم نہیں سمجھ رہی۔ وہ سو سال سے اپنے گھر کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اس کے

خواب میں اس کا گھر، اس کے لوگ، اس کی منزل – سب زندہ ہیں۔ اگر وہ جاگ گیا تو وہ خواب مر جائے گا۔ اور جو چیز اس خواب کے اندر رہتی ہے..."

"ہم،" بلال نے سرگوشی کی۔

"پورا شہر۔" اس نے کہا۔ "پہاڑوں کے اس پار کی وادی، وہ گاؤں جہاں ہم رہتے ہیں – سب کچھ اسی خواب کی لہروں پر تیر رہا ہے۔ سو سال ایک لمحہ ہے، یاد ہے؟ اگر وہ آنکھ کھولے گا تو وہ لمحہ ٹوٹ جائے گا۔ اور ٹوٹے ہوئے خواب کے اندر جو بھی ہوگا، وہ... بکھر جائے گا۔"

رزاویار آگے بڑھا۔ اس کی آوازیں وہی ضد تھی جو اسے ہمیشہ خطرے کی طرف کھینچتی تھی۔ "تو ہم اسے سونے دیں۔ ہم دراڑ بند کر دیں گے۔ ہم نے پہلے بھی آزمائش پاس کی تھی۔"

"نہیں!" بڑی مہام چیخی، اور اس کی چیخ پانی پر گونجی۔ درجنوں نیلی آنکھوں والے خاموش سائے کنارے کی طرف بڑھنا رک گئے۔ "تم نہیں سمجھے۔ وہ سونا نہیں چاہتا اب۔ وہ تھک گیا ہے۔ سو سال کا خواب اس کے لیے بھی قید ہے۔ وہ گھر جانا چاہتا ہے۔ اپنے اصل گھر، آسمان کے پار۔ اور اس کے لیے اسے کسی کی ضرورت ہے۔"

"کس کی؟" میں نے پوچھا، حالانکہ میرے دل کو جواب پہلے سے معلوم تھا۔ جھیل ہمیشہ قیمت لیتی ہے۔ ہمیشہ۔

بڑی مہام نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ اپنی ہی آنکھوں میں، تین سال بڑی۔
"اسے ایک چراغ بردار چاہیے۔ کوئی جو اس کا نام اپنے خواب کے اندر اٹھا کر
اسے گھر کا راستہ دکھائے۔ کوئی جو جاگتے ہوئے اس کے ساتھ چلے... اور جو
اس کے ساتھ جائے گا، وہ کبھی واپس نہیں آئے گا۔"

خاموشی۔ صرف پانی کی آواز۔ بلبہ اب اتنا بڑا تھا کہ اس میں آسمان کا عکس
بھی ڈوب رہا تھا۔

"اور اگر کوئی نہ جائے؟" زاویار نے پوچھا۔

"تو وہ خود اٹھے گا۔" بڑی مہام کی آواز ٹوٹ گئی۔ "دراڑ سے۔ اور جب ٹوٹے
ہوئے خواب سے کوئی جاگتا ہے تو وہ اپنے ساتھ سب کچھ بہالے جاتا ہے۔
پوری وادی، پورا شہر، سب کچھ اس کی بیداری کی لہر میں ڈوب جائے گا۔ تین
دن۔ ہمارے پاس تین راتیں ہیں۔ تیسری رات چاند ڈوبے گا۔ اور پھر وہ
فیصلہ نہیں کرے گا، وہ بس... جاگ جائے گا۔"

بلال نے میرا دوسرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کے ہاتھ پسینے سے بھگے تھے۔ "تو... ہمیں
کسی کو بھیجنا ہوگا؟ ہم میں سے کسی کو؟"

میں نے بڑی مہام کو دیکھا۔ وہ مجھ سے نظریں چرا رہی تھی۔ اور تب مجھے وہ بات یاد آئی جو مجھے پہلے کھٹکی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ تین سال پہلے اپنی ادھوری خواہش لے کر آئی تھی اور جھیل نے اسے لے لیا تھا۔

"تم،" میں نے دھیرے سے کہا۔ "تم کیوں نہیں جاتیں؟ تم تو پہلے سے اس کے خواب کا حصہ ہو۔ تمہیں تو واپس آنا بھی نہیں ہے۔ تم پہلے ہی..."

اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نیلی آنکھوں میں پہلی بار کوئی اور چیز چمکی۔ شرمندگی؟ خوف؟ یا کوئی راز؟

"میں نہیں جا سکتی،" اس نے جلدی سے کہا، بہت جلدی سے۔ "میں... میں بند ہی ہوئی ہوں۔ مسافر کے خواب کی قیدی ہوں۔ میں صرف..."

"صرف کیا؟" زاویار نے قدم آگے بڑھایا۔ "تم ہمیں یہاں کیوں لائی ہو، بڑی مہام؟ سچ بتاؤ۔ وہ کاغذ۔ تمہارے اپنے ہاتھ کی لکھائی میں۔ تم نے ہمیں خبردار کیا تھا یا... بلایا تھا؟"

وہ چپچہہ ہئی۔ پانی اس کے پیروں کو چھونے لگا۔ اور اس لمحے بلبلے کے اندر کی شکل صاف ہوئی۔ ایک لمبا سایہ، جس کے کندھوں پر ستاروں جیسی روشنی ٹمٹما رہی تھی، اور جس کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ کھل رہی تھیں۔

اور پھر پوری جھیل میں ایک آواز گونجی۔ نہ پانی کی، نہ ہوا کی۔ ایک ایسی آواز جو ہمارے سینوں کے اندر سے آرہی تھی، جیسے ہمارے دلوں نے بولنا سیکھ لیا ہو:

"اپنا نام دو... اپنا نام دو... جو میرا نام اٹھائے گا، میں اس کے خواب میں گھر جاؤں گا..."

بڑی مہام نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور اس کے ہونٹوں پر وہی الفاظ تھے جو آواز کہہ رہی تھی۔ وہ مسکرا رہی تھی۔ یا رو رہی تھی۔ مجھے فرق سمجھ نہیں آیا۔

"اس نے پہلے ہی چن لیا ہے،" اس نے سرگوشی کی۔ "اس نے اسے چنا ہے جس نے خواب کی دیواریں توڑیں۔"

تینوں کی نظریں ایک ساتھ ایک چہرے پر جمیں۔
اور بلبہ پھٹنے کو تھا۔

بلبلہ پھٹنے کو تھا۔ اور ہم تینوں کی نظریں ایک ہی چہرے پر جمی تھیں۔

میرے چہرے پر۔

میں نے بلال کو دیکھا۔ اس نے نظریں چرا لیں۔ زاویار نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اتنی زور سے کہ میری انگلیاں سن ہو گئیں۔ "نہیں"، اس نے کہا۔ "یہ نہیں ہو سکتا۔"

بڑی مہام کی سرگوشی اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی تھی: "اس نے اسے چنا ہے جس نے خواب کی دیواریں توڑیں۔"

دیواریں توڑنے والی... میں؟ وہ صفحہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میرے اپنے ہاتھ کی لکھائی میں۔ میں نے اسے پڑھا تھا۔ بار بار پڑھا تھا۔ کیا پڑھنے سے خواب کی دیوار ٹوٹ گئی تھی؟

پھر وہ آواز آئی۔ سینوں کے اندر سے، جیسے ہمارے دلوں نے بولنا سیکھ لیا ہو:

"اپنا نام دو... جو میرا نام اٹھائے گا، میں اس کے خواب میں گھر جاؤں گا۔"

اور بلبلہ پھٹا۔

دھماکے سے نہیں۔ ایک لمبی تھکی ہوئی سانس کی طرح۔ جیسے سو سال سے رکا ہوا کوئی سانس آخر چھوٹ گیا ہو۔ نیلی دھند چھائی۔ پانی کناروں کی طرف ہٹا۔ اور دھند کے بیچ میں ایک لڑکا کھڑا تھا۔

ہماری عمر کا لڑکا۔

میں نے آنکھیں جھپکائیں۔ میں نے کسی دیو کی توقع کی تھی۔ ستاروں کی روشنی میں لپٹا ہوا کوئی وجود، جس کی آواز سے پہاڑ ہل جائیں۔ ننگے پاؤں۔ بالوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس نے پرانے زمانے کا ایک بھاری کوٹ پہن رکھا تھا، اتنا بڑا کہ آستینیں اس کے ہاتھوں پر لٹک رہی تھیں۔

بلال کے منہ سے بے اختیار نکلا: "اوہ۔ تو تم ہو وہ خوفناک مسافر؟ بھائی، ڈراؤنی کہانیوں میں ولن ذرا لمبے ہوتے ہیں!"

لڑکے نے ہم تینوں کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔ ویسی الجھن جو میں نے ایک بار ایک چھوٹے بچے کی آنکھوں میں دیکھی تھی جو میلے میں اپنی ماں سے بچھڑ گیا تھا۔

"یہ..." اس نے کہا۔ اس کی اردو میں ایک عجیب سا لہجہ تھا، جیسے الفاظ اس کے منہ میں نئے ہوں۔ "یہ کون سی جگہ ہے؟ مجھے... مجھے گھر جانا ہے۔"

میرے ذہن میں کتابوں کے صفحے پلٹنے لگے۔ ہر اچھی کہانی میں ایک ایسا موڑ آتا ہے جہاں قاری سانس روک لیتا ہے۔ میں اس وقت اسی موڑ پر کھڑی تھی، فرق صرف یہ تھا کہ یہ کہانی کسی کتاب میں نہیں، میرے گرد گھوم رہی تھی۔

یہ مسافر خود نہیں جاگا تھا۔ خواب نے اسے باہر بھیجا تھا۔ تاکہ وہ جاگے بغیر گھر جا سکے۔ خواب میں چلتا ہوا خواب دیکھنے والا۔

زاویار ایک قدم آگے بڑھا۔ "تمہارا گھر یہاں سے بہت دور ہے۔ آسمان کے پار۔ اور تم وہاں اکیلے نہیں پہنچ سکتے۔"

لڑکے کا چہرہ ایک لمحے کے لیے بدل گیا۔ وہ نرمی غائب ہوئی، اور آواز پھر ہمارے سینوں میں گونجی۔ بڑی، پرانی، بے صبر:

"نام دو۔"

کوئی نہ بولا۔ ہوا بھی رک گئی تھی۔

تب بلال نے وہ کیا جو صرف بلال کر سکتا تھا۔

اس نے تھرماس کا ڈھکن کھولا۔ بھاپ اٹھی۔ اس نے کپ لڑکے کی طرف بڑھایا۔ "دیکھو بھائی، ہمارے ہاں رواج ہے۔ نام مانگنے سے پہلے چائے پوچھتے ہیں۔ لو، پیو۔ اور ک والی ہے، امی نے بنائی تھی۔"

لڑکے نے کپ لیا۔ پیا۔ اور اس کے چہرے پر ایک ٹیڑھی سی مسکراہٹ آئی۔ ایک عام، تھکے ہوئے، کھوئے ہوئے لڑکے کی مسکراہٹ۔ ایک لمحے کے لیے وہ کوئی مسافر نہیں تھا۔ صرف ایک لڑکا تھا جسے گھر جانا تھا۔

میرادل دھک سے رہ گیا۔ یہی تو خطرہ تھا۔ اسے انسان سمجھنا آسان تھا۔ اور یہی آسانی سب سے بڑا جال تھی۔

"اچھا، ایک بات سنو،" بلال نے جلدی سے کہا۔ اس کی آواز میں وہ گھبراہٹ تھی جسے وہ مذاق میں چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تام دینے سے پہلے ایک فارم بھرنا پڑتا ہے۔ نام، ولدیت، پتہ، دستخط۔ یہ ہمارے اسکول کا قانون ہے۔ میں نے خود بنایا ہے، پرنسپل صاحب کو بھی نہیں پتا۔"

لڑکارک گیا۔ "فارم؟" اس نے دہرایا۔ "فارم... کیا ہوتا ہے؟"

"دیکھا!" بلال نے ہماری طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ "یہ تو فارم بھی نہیں جانتا! بھائی، تم تو ابھی بچے ہو!"

میں ہنسنا چاہتی تھی اور رونا بھی۔ بلال ڈرا ہوا تھا۔ اتنا ڈرا ہوا کہ اس کا مذاق اس کی ڈھال بن گیا تھا۔ اور وہ ڈھال کام کر رہی تھی: لڑکا واقعی رک گیا تھا، الجھن میں، جیسے کوئی اسے پہلی بار کسی ایسے کھیل میں گھسیٹ لے گیا ہو جس کے اصول اسے نہیں آتے۔

مگر پھر زاویار آگے بڑھا۔ اس کی آنکھوں میں وہ ضد تھی جو میں نے اس میں اس دن دیکھی تھی جب اس نے کہا تھا کہ وہ جھیل کے پار جائے گا، چاہے کچھ بھی ہو۔

"بس کرو، بلال،" اس نے کہا، اور لڑکے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ "میرا نام لے لو۔ زاویار۔ یہ دونوں نہیں جائیں گے۔ میں جاؤں گا!"

خاموشی۔

لڑکے نے زاویار کو دیکھا۔ پھر اس کے پار دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں چاند کے دو عکس تیرنے لگے۔ ایک آسمان والا، اور ایک کوئی اور۔

"انتخاب ہو چکا ہے،" اس نے آہستہ سے کہا۔

اسی لمحے ہوا سنہری ہو گئی۔

وقت نہیں رکا۔ بس پھسل گیا، جیسے کوئی سنہری شہد میں ڈوب گیا ہو۔ پانی کی لہریں جم گئیں۔ بلال کا ہاتھ ہوا میں ٹھہر گیا۔ زاویار کی سانس رک گئی۔

صرف میں چل سکتی تھی۔ صرف میں سن سکتی تھی۔

اور وہ آیا۔ وہ ساتھی۔ سنہری روشنی میں لپٹا ہوا۔ سو سال سے خواب کے باہر انتظار کرتا ہوا۔

"کتاب والی لڑکی،" اس نے کہا۔ اس کی آواز میں تھکاوٹ تھی۔ "ایک سوداگر
لو۔"

"کیسا سودا؟"

"اپنا وہ خواب مجھے دے دو۔ وہ والا جو تم نے کبھی کسی کو نہیں بتایا۔" وہ رکا۔
"وہ خواب جس میں تم کہانیاں لکھتی ہو۔ ایسی کہانیاں جو تم سے بڑی ہوں، جو
تمہارے بعد بھی زندہ رہیں۔ وہ خواب مجھے دے دو۔ میں اسے سلا دوں گا۔ سو
سال کے لیے۔ تینوں دل چھوئے بغیر گھر واپس جائیں گے۔ کچھ نہیں بدلے
گا۔"

میرے گلے میں کچھ اٹک گیا۔ وہ خواب۔ میرا سب سے چھپا ہوا خواب۔ میں
نے تو بلال اور زاویار کو بھی نہیں بتایا تھا۔

"نہیں،" میں نے کہا۔

اس کی سنہری آنکھیں پھیل گئیں۔ "تم سمجھتی نہیں۔ چاند ڈوب رہا ہے۔ تیسری
رات ختم ہو رہی ہے۔"

"میں سمجھتی ہوں،" میں نے کہا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ میری آواز کتنی مضبوط
تھی۔ "خواب سودے کی چیز نہیں ہوتی۔ خواب تو اڑان ہوتی ہے۔ اور تم..."

میں نے اسے دیکھا۔ "تم نے سو سال انتظار کیا۔ شاید انتظار کرنا ہی تمہارا خواب ہے۔ اسے مت بچو۔"

وہ لرزا۔ جیسے کسی نے اس کے اندر کی کوئی پرانی دیوار چھولی ہو۔ پھر روشنی مدھم ہوئی۔

"چاند ڈوب رہا ہے، کتاب والی لڑکی،" اس نے کہا۔ اور غائب ہو گیا۔

وقت واپس آیا۔ بلال کا ہاتھ گرا۔ زاویار نے سانس لی۔

لڑکے کا چہرہ بدل چکا تھا۔ وہ نرمی، وہ الجھن۔ سب غائب۔ اس کی آنکھوں میں اب صرف وہ گہرائی تھی جو جھیل کے سب سے نچلے حصے میں ہوتی ہے۔ اس نے سیدھا مجھے دیکھا۔

اور نام بولا۔

"مہم۔"

ہم دونوں نے ایک ساتھ کہا: "ہاں؟"

میں اور بڑی مہام۔ ایک دوسرے کو دیکھا۔ وقت ایک لمحے کے لیے دو حصوں میں بٹ گیا۔

پھر بڑی مہام آگے بڑھی۔ چاندنی میں، پانی پر قدم رکھتی ہوئی۔ پانی اس کے پاؤں تلے شیشے جیسا جم گیا۔ وہ لڑکے کے سامنے کھڑی ہوئی۔

"ڈرو مت، مہم،" اس نے کہا۔ اس کی آواز میں آنسو تھے اور مسکراہٹ بھی۔
"میں نے یہ رات تین سال پہلے دیکھی تھی۔ بالکل یہی رات۔ اور میں نے بھی یہی کیا تھا۔"

میرے ذہن میں سب کچھ ایک ساتھ جڑ گیا۔ جیسے کسی نے کتاب کا آخری صفحہ پہلے کھول دیا ہو۔ وہ ہمیں بچانے آئی تھی یا پھانسنے؟
دونوں۔

چکر کو یہ رات چاہیے تھی۔ اور اس کے دل کو ہم تینوں۔

"وہ ہمارا نام نہیں مانگ رہا تھا،" بڑی مہام نے سرگوشی کی۔ اس نے لڑکے کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کھوئے ہوئے لڑکے کی آنکھوں میں۔ "وہ اپنا نام مانگ رہا تھا۔ 'اپنا نام دو'۔ اپنا کا مطلب ہمیشہ 'تمہارا' نہیں ہوتا، مہم۔ کبھی کبھی اس کا مطلب 'اس کا اپنا' بھی ہوتا ہے۔ وہ اپنا نام بھول چکا ہے۔ سو سال کی نیند میں۔ جو اسے نام دے گا... وہ اس کا ہو جائے گا۔"

میں نے منہ کھولا۔ میرے ہونٹوں پر ایک نام تھا۔

مگر اس نے پہلے کہہ دیا۔

"چراغ۔" اس نے کہا۔ "تمہارا نام چراغ ہے۔"

لڑکے کی انگلیاں اس کے ہاتھ پر بند ہو گئیں۔ نیلی روشنی ان دونوں کو لپیٹنے لگی۔
— آہستہ آہستہ، جیسے کوئی پرانی چادر اوڑھ رہا ہو۔

"رو مت،" بڑی مہام نے کہا۔ "یہی میری کہانی تھی۔ اور اب یہ تمہاری کہانی ہے۔ اسے لکھنا، مہم۔ ضرور لکھنا۔"

میں چیخی۔ میں آگے لپکی۔ اس کی کلائی کی طرف، اس کے ہاتھ کی طرف، اس کی طرف جو میں خود تین سال بعد بننے والی تھی۔

اسی لمحے چاند کے نچلے کنارے نے کالے پانی کو چھو لیا۔

میں چیخی اور آگے لپکی۔ مگر نیلی روشنی اب روشنی نہیں رہی تھی۔ وہ جم چکی تھی، شیشے کی دیوار کی طرح، اور میرا ہاتھ اس سے ٹکرا کر رک گیا۔ دیوار کے اس پار بڑی مہام کھڑی تھی، اور اس کا ہاتھ اب بھی اس لڑکے کے ہاتھ میں تھا۔ اس لڑکے کے جس کا اب ایک نام تھا۔

چراغ۔

"مہم!" میں نے دیوار پر ہاتھ مارا۔ "واپس آؤ!"

بڑی مہام نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، مگر خوف نہیں تھا۔ "ڈرو مت"، اس نے کہا۔ اس کی آواز شیشے کے پار سے آرہی تھی، جیسے پانی کے نیچے سے کوئی بول رہا ہو۔ "یہ قیمت نہیں ہے۔ یہ تحفہ ہے۔"

"کیا فرق ہے؟" زاویار چلایا۔ وہ دیوار کے گرد دوڑ رہا تھا، کوئی درز ڈھونڈ رہا تھا۔

"بہت فرق ہے"، بڑی مہام نے کہا۔ "جھیل خواہشوں کی قیمت لیتی ہے۔ جو مانگا جائے، اس کا بدلہ۔ مگر نام... نام میں نے مانگا نہیں تھا۔ میں نے دیا ہے۔ اور جھیل کو تحفوں کا حساب رکھنا نہیں آتا۔"

بلال کی آواز کانپ رہی تھی۔ "تو پھر یہ دیوار کیسی؟ تم باہر کیوں نہیں آریں؟"

بڑی مہام نے چراغ کی طرف دیکھا۔ لڑکا اب بدل رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں رنگ اتر رہا تھا، مٹی جیسا بھورا۔ اس کے بالوں سے پانی ٹپکنا بند ہو گیا تھا۔ وہ ایک عام لڑکا لگنے لگا تھا، سوائے اس کے کہ اس کے گرد ہلکی نیلی چمک اب بھی تھی، جیسے چاندنی اسے چھوڑنا نہ چاہتی ہو۔

"نام ملنے میں وقت لگتا ہے،" بڑی مہام نے کہا۔ "جیسے بچ کو مٹی میں وقت چاہیے۔ جب تک نام اس کی ہڈیوں میں نہ اتر جائے، یہ دیوار رہے گی۔ میری حفاظت کے لیے نہیں۔ اس کی۔"

"کس سے حفاظت؟" میں نے پوچھا۔

اسی لمحے چاند کا نچلا کنارہ کالے پانی کو چھو گیا۔

پوری جھیل چاندی بن گئی۔ اور چاندی کے نیچے۔ روشنیاں۔ درجنوں چھوٹی نیلی روشنیاں، پانی کی تہہ سے اوپر اٹھ رہی تھیں، جیسے کوئی تہہ خانے کے چراغ ایک ایک کر کے جلا رہا ہو۔

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ "وہ... وہ کیا ہیں؟"

چراغ نے پہلی بار پورے جملے میں بات کی۔ اس کی اردو اب صاف تھی، جیسے نام کے ساتھ زبان بھی اسے مل گئی ہو۔ "وہ میرے ساتھی ہیں۔ ستارے

کے مسافر۔ ہم آسمان پار کرتے تھے۔ روشنی کے قافلے۔ سو سال پہلے ایک ہم سفر نیچے گرا۔ ستارہ نہیں تھا وہ۔ وہ تھا۔ اور میں اس کی روشنی کے چھپے آیا۔ پھر میں بھی سو گیا۔"

"وہ"۔ "زاویار نے آہستہ کہا۔ "وہی جس کے بارے میں تمہارے صفحے پر لکھا تھا؟ جو جھیل کے نیچے جاگا ہے؟"

چراغ نے سر ہلایا۔ "وہ سب سے پہلے گرا تھا، اس لیے سب سے گہرا سویا۔ مگر اب وہ جاگ رہا ہے۔ اور وہ... وہ اکیلا نہیں جاگ رہا۔"

پانی کے نیچے روشنیاں اوپر آتی جا رہی تھیں۔ میں نے گنا۔ دس، بیس، تیس سے زیادہ۔

"وہ کیا چاہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ میری آواز اتنی چھوٹی تھی کہ مجھے خود سنائی نہ دی۔

"وہی جو ہر گرنے والا چاہتا ہے،" چراغ نے کہا۔ "گھر۔ مگر اس کا گھر اب آسمان پر نہیں رہا۔ سو سال میں آسمان بدل جاتا ہے، مہم۔ ستارے اپنی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ تو اب وہ نیا گھر چاہتا ہے۔" اس نے رکا۔ "اور نیا گھر بنانے کے لیے اسے نام چاہییں۔ بہت سے نام۔"

بلال کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "ہمارے نام؟"

"نہیں،" چراغ نے جلدی سے کہا۔ "تمہارے نہیں۔ وہ نام نہیں چھینے گا۔ وہ نام مانگے گا۔ وہ تمہارے سامنے آئے گا، بالکل میری طرح۔ کھویا ہوا، تنہا۔ اور تم خود اسے نام دو گے۔ کیونکہ تم اچھے ہو۔ کیونکہ تمہیں ترس آئے گا۔ اور جسے تم نام دو گے... وہ تمہارا ہو جائے گا۔ ہمیشہ کے لیے۔"

شیشے کے پار بڑی مہام نے میری طرف دیکھا۔ اب میں سمجھی تھی اس کی مسکراہٹ کا مطلب۔ اس نے یہی کیا تھا۔ ترس کھایا تھا، نام دیا تھا۔ اور اب چراغ اس کا تھا۔

"تو تم ہمارے ساتھ ہو؟" زاویار نے چراغ سے پوچھا۔

چراغ نے بڑی مہام کے ہاتھ کو دیکھا، پھر ہماری طرف۔ "نام نے مجھے چننے کی طاقت دی ہے۔ سو سال میں پہلی بار میں کچھ چن سکتا ہوں۔" اس نے گہری سانس لی۔ "میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مگر سنو۔ وہ مجھ سے بڑا ہے۔ اور وہ جاگ چکا ہے۔"

جیسے اس کے الفاظ کا انتظار ہو، جھیل کے نیچوں بیچ پانی چھبٹنے لگا۔ ایک کامل دائرہ بن گیا۔ پانی دائرے سے باہر، اور بیچ میں کیلی ریت۔ اور اس ریت سے۔ ایک ہاتھ اوپر اٹھا۔

پھر ایک سر۔ پھر کندھے۔

وہ چراغ سے دگنا لمبا تھا۔ اس کے کوٹ سے پانی نہیں ٹپک رہا تھا۔ پانی اس سے ڈر کر پیچھے ہٹ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کوئی رنگ نہیں تھا۔ صرف گہرائی تھی، جیسے رات کے آسمان میں دیکھو اور ستارے غائب ہوں۔

اس نے ہم تینوں کو دیکھا۔ پھر اس کی نظر مجھ پر ٹھہر گئی۔

اور اس نے میرا نام لیا۔

"مہم۔"

میری زبان میرے منہ میں پتھر بن گئی۔ زاویار نے میرا ہاتھ پکڑا۔ بلال نے تھرماس اٹھا لیا۔ جیسے چائے اس بار بھی کام آنے گی۔

شیشے کے پار بڑی مہام چلائی: "اسے جواب مت دینا! نام کا جواب نام ہوتا ہے۔ جو اسے پہچانے، وہ اس کا ہو جاتا ہے!"

مگر دیر ہو چکی تھی۔ کیونکہ میرے ہونٹ پہلے ہی بل رہے تھے۔ اور میرے دل میں، کہیں بہت گہرائی میں، ایک سوال اٹھ رہا تھا جس کا جواب مجھے معلوم نہیں تھا:

اگر میں اسے نام نہ دوں... تو کیا وہ خود میرا نام لے لے گا؟

”مہم۔“

اس نے میرا نام لیا۔ اور میری زبان میرے منہ میں پتھر بن گئی۔

وقت رک گیا۔ میں چاندی بنی جھیل کے کنارے کھڑی تھی، میرے ایک طرف زاویار کا ہاتھ میرے ہاتھ میں، دوسری طرف بلال تھرماس اٹھائے۔ اور میرے سامنے وہ کھڑا تھا، چراغ سے دگنا لمبا، اس کی آنکھوں میں صرف گہرائی، جیسے رات کے آسمان میں دیکھو اور ستارے غائب ہوں۔

شیشے کے پار بڑی مہم چلائی: ”اسے جواب مت دینا! نام کا جواب نام ہوتا ہے جو اسے پہچانے، وہ اس کا ہو جاتا ہے!“

مگر میرے ہونٹ پہلے ہی بل رہے تھے۔

میں نے انہیں روکا۔ دانتوں سے ہونٹ دبا لیے، اتنی زور سے کہ خون کا ذائقہ آیا۔ نہیں۔ میں اسے اپنا نام نہیں دوں گی۔ اس نے میرا نام لیا ہے۔ چھینا ہے۔ مگر میں جواب نہیں دوں گی۔

وہ ایک قدم آگے بڑھا۔ پانی اس کے کوٹ سے ڈر کر سچھہٹ رہا تھا۔ اس کی آواز آئی۔ گہرے پانی جیسی، پرانی:

”مجھے گھر چاہیے۔ نام دو۔“

”مت کرنا، مہم!“ زاویار نے میرا ہاتھ بھینچا۔ ”وہ تمہیں باندھ لے گا!“

مگر میں سوچ رہی تھی۔ تیزی سے سوچ رہی تھی، جیسے امتحان کے آخری پانچ منٹ ہوں۔ بڑی مہم نے کیا کہا تھا؟ نام میں نے مانگا نہیں تھا۔ میں نے دیا ہے۔ اور جھیل کو تحفوں کا حساب رکھنا نہیں آتا۔ جسے تم نام دو گے... وہ تمہارا ہو جائے گا۔ ہمیشہ کے لیے۔

یعنی۔ اگر میں اسے نام دوں، تو وہ میرا ہو جائے گا۔

مگر اس نے پہلے میرا نام لیا تھا۔ تو بندھن دونوں طرف ہوگا۔ میں اس کی، وہ میرا۔

”چھوٹی!“ شیشہ اب ٹوٹ رہا تھا۔ باریک دراڑیں اس پر پھیل رہی تھیں، کیونکہ چراغ کا نام اس کی ہڈیوں میں اتر چکا تھا۔ بڑی مہم کی آواز دراڑوں کے پار سے آئی: ”قیمت سوچ لو! نام دینے والی خود بھی بندھ جاتی ہے!“

میں جانتی تھی۔ میں سب جانتی تھی۔

پھر بھی میں نے قدم آگے بڑھایا۔

کیونکہ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔ وہ گہرائی۔ وہ خالی آسمان۔ سو سال پہلے وہ گرا تھا، اور اس کا آسمان بدل گیا تھا۔ ستارے اپنی جگہ چھوڑ گئے تھے۔ وہ گھر مانگ رہا تھا۔ اور گھر مانگنے والا دشمن نہیں ہوتا۔ کھویا ہوا ہوتا ہے۔

اور میں نے ترس کھایا تھا۔ بالکل ویسے جیسے بڑی مہم نے چراغ پر کھایا تھا۔
 ”سنو،“ میں نے کہا۔ میری آواز کانپ رہی تھی، مگر صاف تھی۔ ”تمہیں نام چاہیے۔ تو لو۔“

میں نے گہری سانس لی۔

”تمہارا نام آسمان ہے۔“

سناتا۔

”کیونکہ آسمان وہ ہے جو کبھی نہیں گرتا،“ میں نے کہا۔ ”تم جہاں جاؤ گے، تمہارا آسمان تمہارے ساتھ ہوگا۔ کوئی اسے تم سے چھین نہیں سکے گا۔ یہ میرا تحفہ ہے۔ مانگا ہوا نہیں، دیا ہوا۔“

وہ ساکت کھڑا رہا۔ پھر۔ آہستہ آہستہ۔ وہ گھٹنوں پر جھکا۔ اتنا بڑا وجود، میرے سامنے جھکا ہوا۔ اس کی بے رنگ آنکھوں میں پہلی بار کچھ آیا۔ رنگ نہیں، مگر روشنی۔ ہلکی سی، جیسے دور کوئی چراغ جلا ہو۔

”آسمان،“ اس نے کہا۔ اس کے منہ میں یہ نام عجیب لگا۔ پرانا اور نیا، ایک ساتھ۔ ”نام کے بدلے نام، مہم۔“

میرا دل رک گیا۔

”تم نے مجھے میرا آسمان دیا،“ اس نے کہا۔ ”اب تم میرا آسمان ہو۔“

بندھن مکمل ہو گیا۔ میں نے اس کے چہرے پر محسوس کیا۔ ایک ڈوری، میرے دل سے اس کے دل تک۔ وہ میرا تھا۔ اور میں اس کی۔

جھیل کے نیچے روشنیاں۔ درجنوں نیلی روشنیاں، ستارے کے مسافر۔ اوپر اٹھیں اور جھک گئیں۔ ان کے سردار کو نام مل گیا تھا۔ ان کا قافلہ اب کسی کا تھا۔

چراغ شیشے کے اس پار سے نکلا۔ دیوار اب مکمل ٹوٹ چکی تھی۔ وہ میرے پاس آیا، اس کی آنکھوں میں مٹی جیسا بھورا رنگ، بالکل انسان جیسی۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔

”تم نے کیا کر دیا، مہم؟“ اس نے سرگوشی کی۔ ”اب وہ تمہارا ہے... اور تم اس کی۔“

”اور کوئی راستہ نہیں تھا،“ میں نے کہا۔ مگر میری آوازیں وہ یقین نہیں تھا جو میں دکھانا چاہتی تھی۔

بڑی مہم اب آزاد تھی — شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ میرے پاس آئی اور میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس کا چہرہ سفید تھا۔

”چھوٹی،“ اس نے آہستہ کہا۔ ”جب ستارہ کسی کا ہوتا ہے، تو اس کا زوال بھی اسی کا ہوتا ہے۔“ اس نے رکا۔ ”سو سال پہلے وہ کیوں گرا تھا... یہ تو پوچھا ہی نہیں تم نے۔“

میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی گھٹنوں پر تھا، میرا نام — میرا دیا ہوا نام — دہرا رہا تھا، جیسے کوئی دعا یاد کر رہا ہو۔
”وہ کیوں گرا تھا؟“ میں نے پوچھا۔

بڑی مہم نے جھیل کے سب سے گہرے حصے کی طرف دیکھا — وہاں، جہاں چاندی کی روشنی بھی نہیں پہنچتی تھی۔
”کیونکہ وہ بھاگ رہا تھا،“ اس نے کہا۔

اور جھیل کے سب سے گہرے حصے میں، جہاں روشنی کبھی نہیں پہنچی، دو آنکھیں کھل گئیں — ایسی آنکھیں جن میں ستارے نہیں تھے۔
صرف بھوک تھی۔

آسمان گھٹنوں پر جھکا رہا۔

اتنا بڑا وجود۔ جس کی آنکھوں میں کبھی ستارے تھے اور اب صرف گہرائی تھی۔
— میرے سامنے جھکا ہوا تھا، اور اس کے منہ پر میرا دیا ہوا نام تھا۔
”آسمان۔“ نام کے بدلے نام۔ وہ میرا تھا۔ اور میں اس کی۔

جھیل کے نیچے درجنوں نیلی روشنیاں اوپر اٹھیں اور جھک گئیں۔ ستارے کے
مسافر۔ ان کے سردار کو نام مل گیا تھا۔ ان کا قافلہ اب کسی کا تھا۔

چراغ میرے پاس آیا۔ اس کی آنکھوں میں اب مٹی جیسا بھورا رنگ تھا، بالکل
انسان جیسا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور سرگوشی کی، ”تم نے کیا کر دیا، مہم؟
اب وہ تمہارا ہے... اور تم اس کی۔“

”اور کوئی راستہ نہیں تھا،“ میں نے کہا۔ مگر میری آواز میں وہ یقین نہیں تھا جو
میں دکھانا چاہتی تھی۔

شیشے کے اس پار بڑی مہم کھڑی تھی۔ دیوار اب مکمل ٹوٹ چکی تھی۔ چراغ کا
نام اس کی ہڈیوں میں اتر چکا تھا۔ وہ آگے بڑھی اور میرے کندھے پر ہاتھ
رکھا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

”چھوٹی،“ اس نے کہا، ”تم نے تحفہ دیا ہے۔ اور جھیل کو تحفوں کا حساب رکھنا نہیں آتا۔ یہ سچ ہے۔ مگر جھیل کو ایک اور چیز کا حساب رکھنا آتا ہے۔“

”کیا؟“

”جاگنے کا۔“

اسی لمحے جھیل ہلی۔

پہلے تو صرف ایک لہر تھی۔ چاندی کے پانی پر ایک شکن، جیسے کوئی سوئی ہوئی چیز نے کروٹ بدلی ہو۔ پھر پانی کنارے سے چھبے مٹنے لگا۔ نہیں۔ چھبے نہیں، اوپر اٹھنے لگا۔ ایک دیوار کی طرح، ہمارے گرد، اتنی اونچی کہ چاند اس کے پار دھندلا نظر آنے لگا۔

بلال نے تھرماس گر ادیا۔ ”یہ... یہ کیا کر رہی ہے؟“

زاویار نے میرا ہاتھ اور زور سے پکڑ لیا۔ ”مہم، چھبے ہٹو!“

مگر میں ہل نہ سکی۔ کیونکہ پانی کی دیوار میں ایک چہرہ بن رہا تھا۔ میرا اپنا چہرہ، مگر بڑا، پرانا، آنکھوں میں سو سال کی نیند۔

جھیل بولی۔ اس کی آواز پانی جیسی تھی، اور میری بڑی والی آواز جیسی۔

”نام تو دے دیا، مہم۔ اب قیمت دو۔“

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ”ک... کون سی قیمت؟ میں نے تو تحفہ دیا تھا!“

”تحفہ اس کو دیا،“ جھیل نے کہا، اور پانی کی دیوار میں آسمان کی شکل ابھری۔ گھنٹوں پر جھکا ہوا۔ ”مگر جگایا مجھے۔ سو سال کی نیند سے جگایا۔ جاگنے کی قیمت الگ ہوتی ہے۔“

آسمان اٹھا۔ اس کے چہرے پر پہلی بار خوف تھا۔ میرے لیے خوف۔ ”نہیں،“ اس نے جھیل سے کہا۔ ”قیمت میں دوں گا۔ میں سویا تھا، میں جاگا ہوں۔ اس بجی کو چھوڑ دو۔“

”تمہارے پاس دینے کو کچھ نہیں بچا،“ جھیل نے جواب دیا۔ ”تمہیں نام مل گیا۔ نام والا قیدی نہیں ہوتا، مہمان ہوتا ہے۔ اور مہمان سے قیمت نہیں لی جاتی۔“ پانی کی دیوار میری طرف جھکی۔ ”قیمت نام دینے والی دے گی۔“

بڑی مہم چیخی، ”نہیں! چھوٹی، چھپے ہٹ!“

مگر پانی میرے ٹخنوں تک آچکا تھا۔ ٹھنڈا۔ اتنا ٹھنڈا کہ میری ہڈیوں تک اتر گیا۔ ”کیا چاہیے تمہیں؟“ میں نے پوچھا۔ میری آواز اب کانپ نہیں رہی تھی۔ عجیب بات تھی۔ خوف کے اس پار ایک عجیب سکون تھا، جیسے امتحان کے پرچے کا آخری سوال ہو اور وقت ختم ہونے والا ہو۔

”گھر،“ جھیل نے کہا۔ ”اس کو تم نے آسمان دیا۔ ایسی چیز جو کبھی نہیں گرتی۔ مگر آسمان خالی ہے، مہم۔ گھر بھرا ہوتا ہے۔ مجھے گھر چاہیے۔ اپنی یادوں میں سے اپنا سب سے خوش دن نکال کر دو۔ وہ دن جب تم نے خود کو سب سے زیادہ گھر میں محسوس کیا تھا۔ میں اسے پی لوں گی، اور پھر میں سو جاؤں گی۔ ہمیشہ کے لیے۔“

میرے ذہن میں فوراً ایک تصویر ابھری۔ امی کے ہاتھ کی خوشبو، ابو کی ہنسی، چھوٹا سا صحن، بارش کی پہلی بوندیں۔ میرا آٹھواں جنم دن۔

”مت کرنا!“ چراغ چلایا۔ وہ آگے بڑھا، پانی میں گھسا۔ ”قیمت میں دوں گا!“ میرے پاس بھی یادیں ہیں۔ سو سال کی نیند سے پہلے کی، آسمان پار کرنے کی!“

جھیل ہنسی۔ پانی کی ہنسی، گہری اور اداس۔ ”تمہاری یادیں ستاروں کی ہیں، بچے۔ مجھے گھر چاہیے، آسمان نہیں۔ اور ویسے بھی...“ پانی کی دیوار میں ایک اور شکل ابھری۔ بڑی مہم کی۔ ”تحفے کا نام واپس نہیں لیا جاسکتا۔ مگر تحفہ دینے والی کی قیمت کوئی اور نہیں دے سکتا۔ یہ قانون ہے۔ پرانا قانون۔“

بڑی مہم کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ”چھوٹی، سنو۔ میں نے بھی ایک بار قیمت دی تھی۔ اسی لیے میں یہاں ہوں۔ اسی لیے میں بڑی ہوں اور تم ابھی چھوٹی ہو۔ قیمت دینے والا وقت میں آگے بڑھ جاتا ہے۔ میں نے اپنا بچپن جھیل کو

دے دیا تھا، اور...“ اس نے رکا۔ ”اور میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا کہ میں نے کیا کھویا تھا۔“

”کیا کھویا تھا؟“ میں نے سرگوشی کی۔

”اپنا نام۔“

سننا اچھا گیا۔ صرف پانی کی سرسراہٹ تھی۔

”میں نے جھیل کو اپنا نام دے دیا تھا،“ بڑی مہم نے کہا۔ ”اسی لیے وہ مجھے میرے نام سے بلا سکتی ہے۔ اسی لیے وہ تمہیں بھی بلا سکتی ہے۔ کیونکہ تمہارا نام بھی میرا نام ہے۔“ اس نے میری طرف دیکھا۔ ”اور اب وہ تم سے تمہارا گھر مانگ رہی ہے۔“

پانی اب میرے گھٹنوں تک تھا۔

میں نے آنکھیں بند کیں۔ آٹھواں جنم دن۔ امی کے ہاتھ۔ ابو کی ہنسی۔ بارش۔

پھر میں نے آنکھیں کھولیں۔

”نہیں،“ میں نے کہا۔

جھیل کی دیوار لرز اٹھی۔ ”نہیں؟“

”تم نے کہا تھا – تحفہ دینے والی کی قیمت کوئی اور نہیں دے سکتا۔“ میں نے گہری سانس لی۔ ”تو سنو۔ میں تمہیں اپنا سب سے خوش دن نہیں دوں گی۔ میں تمہیں کچھ اور دوں گی۔“

”کیا؟“

میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ میرے آسمان کی طرف، جو میرے لیے خوفزدہ کھڑا تھا۔ پھر میں نے جھیل سے کہا:

”میں تمہیں نام دینا سکھاؤں گی۔“

پوری جھیل ساکت ہو گئی۔ چاند، پانی، روشنیاں – سب رک گئے۔

”کیا کہا؟“ جھیل کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

”تمہیں صرف قیمت لینا آتی ہے،“ میں نے کہا۔ ”تمہیں نہیں آتا کہ کوئی تمہیں بھی نام دے سکتا ہے۔ تمہیں نہیں آتا کہ تحفہ کیا ہوتا ہے۔ میں یہیں رہوں گی – ایک رات، ہر سال – اور تمہیں سکھاؤں گی۔ اور اس کے بدلے...“

”اس کے بدلے کیا؟“

”اس کے بدلے تم میرے گھر کو ہاتھ نہیں لگاؤ گی۔ نہ میری یادوں کو۔ نہ میرے لوگوں کو۔“

پانی کی دیوار دھیرے دھیرے نیچے آنے لگی۔ جھیل سوچ رہی تھی۔ سو سال
سوئی ہوئی چیز پہلی بار کچھ نیا سوچ رہی تھی۔

پھر۔ پانی کے بیچ میں سے ایک چھوٹی سی لہر اٹھی، اور میرے قدموں میں کچھ
رکھ گئی۔

ایک چھوٹا سا نیلا پتھر۔ دل کی شکل کا۔

”یہ کیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

آسمان نے اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں روشنی لوٹ آئی۔ پہلی بار، اصلی
روشنی۔ ”یہ... یہ جھیل کا دل ہے، مہم۔ وہ تمہیں اپنا دل دے رہی ہے۔“
اس نے میری طرف دیکھا۔ ”جانتا ہو تم اس کا مطلب؟“

”کیا؟“

”جس کے پاس جھیل کا دل ہو،“ آسمان نے آہستہ کہا، ”جھیل اس کی ہو جاتی
ہے۔ ہمیشہ کے لیے۔“

میں نے پتھر اٹھایا۔ وہ گرم تھا۔ دھڑک رہا تھا، بالکل دل کی طرح۔

اور تب مجھے سمجھ آیا۔ میں نے جھیل کو نہیں ہرایا تھا۔ میں نے اسے وہ دے دیا تھا جو اس نے کبھی مانگا ہی نہیں تھا۔ اور اس نے مجھے وہ دے دیا تھا جو میں نے کبھی مانگا ہی نہیں تھا۔

مگر بڑی مہم کی آنکھوں میں خوشی نہیں تھی۔ وہ پتھر کو دیکھ رہی تھی، اور اس کا چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔

”چھوٹی،“ اس نے سرگوشی کی، ”تم نے جھیل کا دل لے لیا ہے۔ اب تم...“
”اب میں کیا؟“

اس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ ”اب تم جھیل ہو۔“

میرے ہاتھ میں دل دھڑکا۔ اور اس کی دھڑکن کے ساتھ، پوری جھیل دھڑکنے لگی۔

دل میرے ہاتھ میں دھڑک رہا تھا۔ اور اس کی ہر دھڑکن کے ساتھ پوری جھیل دھڑک رہی تھی۔ نیلا، دل کی شکل کا، گرم پتھر میرے انگوٹھے کے نیچے دھڑک رہا تھا۔ اور جھیل کے سب سے گہرے حصے میں بھی کچھ اسی تال پر دھڑک رہا تھا۔ جیسے پوری جھیل ایک ہی دل ہو۔

”چھوٹی،“ بڑی مہم کی آواز میرے چپھے سے آئی، ”اب تم جھیل ہو۔ جانتی ہو اس کا مطلب؟“

”کیا؟“

”اس کا مطلب یہ ہے کہ جھیل کی ہر یاد اب تمہاری یاد ہے۔“ اس نے اس پانی کی طرف دیکھا جو ابھی تک ہلکا سا کانپ رہا تھا۔ ”اور جھیل کے پاس سو سال کی یادیں ہیں۔“

میں نے آنکھیں بند کیں۔ اور ڈوب گئی۔

یادوں میں ڈوبنا پانی میں ڈوبنے جیسا نہیں تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑی کتاب کھل گئی ہو اور میں اس کے صفحات میں گرتی جا رہی ہوں۔ میں نے دیکھا سو سال پہلے کی رات: آسمان پھٹا نہیں تھا، ٹوٹا تھا۔ ایک ستارہ گرا تھا۔ نہیں، گرایا گیا

تھا، جیسے زخمی پرندہ۔ وہ پہاڑوں کے چھچھے گرا، زمین نے سانس روکی، پھر
چھوڑی۔ اور پانی ابل پڑا۔ نیلا پانی، ستاروں کی روشنی میں گندھا ہوا۔
اور میں نے دیکھا کہ وہ اکیلا نہیں گرا تھا۔

اس کے چھچھے۔ ستاروں کے بیج، اندھیرے میں۔ کچھ آ رہا تھا۔ اس کی کوئی
شکل نہیں تھی۔ یہ ایسا تھا جیسے رات کے اندر ایک اور رات ہو، اور وہ رات
بھوکی ہو۔ جہاں سے وہ گزرتا، ستارے بجھ جاتے۔ ایک ایک کر کے۔ جیسے
کوئی پھونک مار کر چراغ بجھا دے۔

میں نے آنکھیں کھولیں۔ میرا پورا جسم کانپ رہا تھا۔

”وہ کیا تھا؟“ میں نے آسمان سے پوچھا۔ وہ اب بھی میرے پاس کھڑا تھا۔ میرا
آسمان، میرے دیے ہوئے نام والا۔

اس نے گہرے پانی میں ان دو آنکھوں کی طرف دیکھا۔ ”اس کا کوئی نام نہیں۔
اسی لیے وہ سب سے خطرناک ہے۔ ہم اسے بے نام کہتے تھے۔“
”بے نام؟“

”ہم ستاروں کے مسافر تھے۔ بجھتے ستاروں کے نام یاد رکھتے تھے، کیونکہ جو
ستارہ اپنا نام بھول جاتے، وہ بجھ جاتا ہے۔ اور بے نام وہ نام کھاتا ہے۔ اس

نے ہمارے قافلے کے نام ایک ایک کر کے کھا لیے۔ جو بھول گیا، وہ بجھ گیا۔
ہم بھاگے۔ ہمارا زخمی ستارہ یہاں تک آیا، اور گر گیا۔“

بلال نے گرا ہوا تھرماس اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔ ”تو مطلب یہ چیز سو سال سے
ہمارے نیچے دبی تھی؟ اور ہم یہاں سیلفیاں لے رہے تھے؟“

”دبی ہوئی تھی،“ بڑی مہم نے کہا۔ وہ جھیل کے کنارے بیٹھ گئی تھی۔ ”سوئی
نہیں تھی۔“

”کیا مطلب؟“ میں نے پوچھا۔

”جھیل نے سو سال قیمتیں کیوں لیں؟ یادیں کیوں چھینیں؟ کیونکہ اسے بھاری
ہونا تھا۔ اتنا بھاری کہ بے نام کے سینے پر بیٹھ کر اسے دبائے رکھ سکے۔ ہر
قیمت، ہر یاد، ہر نام۔ سب جھیل کو بھاری کرتے گئے۔ اور جب تم تینوں نے
تین دلوں کا امتحان پاس کیا، جھیل سو گئی۔ اور سوئی ہوئی چیز سب سے بھاری
ہوتی ہے۔“

”مگر تم نے اسے جگا دیا۔ نام دے کر، تحفہ دے کر۔“ بڑی مہم نے آہستہ
کہا۔ ”یاد ہے وہ صفحہ؟ اس بار وہ اکیلا نہیں آئے گا۔ آسمان جاگا تھا۔ مگر اس
کی پکار اتنی اونچی تھی کہ نیچے دبی بھوک نے بھی سن لی۔“

اسی لمحے گہرے پانی میں وہ دو آنکھیں حرکت میں آئیں۔ اور جھیل کے بیچ میں ایک خلا بننے لگا، جیسے کسی نے پانی میں سے ٹکڑا کاٹ لیا ہو۔ ایک سیاہ دائرہ اوپر اٹھنے لگا، جس کے گرد چاندی کا پانی کانپ رہا تھا۔

زاویار نے فوراً میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کھینچا۔ ”چھپ! سب چھپ!“ مگر میں چھپنے نہ ہٹ سکی۔ کیونکہ وہ خلا بولا۔ اور اس کی آواز میری اپنی آواز تھی۔

”چھوٹی جھیل،“ اس نے میرے لہجے میں کہا، ”دل دے دو۔“

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ”تم میری آواز کیوں چرا رہے ہو؟“

”چرا نہیں رہا، یاد رکھ رہا ہوں،“ بے نام نے آسمان کی آواز میں کہا۔ ”میں سب کی آوازیں یاد رکھتا ہوں۔ کھانے سے پہلے۔“ پھر وہ بلال کی ہنسی میں ہنسا، اور بلال کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

”بس کرو!“ میں چلائی۔

خلا ساکت ہو گیا۔ پھر وہ دو آنکھیں پوری طرح کھل گئیں۔ اور ان میں بھوک نہیں تھی۔ بھوک تو چھوٹی چیز ہوتی ہے۔ ان میں خلا تھا، ایسا خلا جو کبھی نہیں بھرتا۔

”دل دے دو،“ بے نام نے اپنی اصل آواز میں کہا۔ جو آواز نہیں تھی، صرف پانی کے نیچے دباؤ تھا۔ ”دل دے دو، اور میں صرف جھیل لوں گا۔ انکار کرو، تو قصبہ پی لوں گا۔ ہر خواہش، ہر نام۔ ان تین دلوں سے شروع کروں گا جو تمہارے پاس کھڑے ہیں۔“

زاویار کی گرفت میرے ہاتھ پر سخت ہو گئی۔ بلال نے تھرماس اور زور سے سینے سے لگا لیا۔

”نہیں،“ آسمان آگے بڑھا۔ ”مجھے لے لو۔ میں ستارے کا مسافر ہوں۔ میرا نام ابھی نیا ہے، تازہ ہے۔ وہ کھا لو۔“

”آسمان، نہیں!“ میں چلائی۔

بے نام ہزار چرائی ہوئی آوازوں میں ہنسا۔ ”تمہارا نام تو پہلے ہی دیا ہوا ہے، بچے۔ دیا ہوا تحفہ میں نہیں کھا سکتا۔ اسی لیے دل مانگ رہا ہوں۔ دل ابھی کسی کا دیا ہوا نہیں، وہ جھیل کا ہے۔ اور جھیل اب...“ آنکھیں مجھ پر جم گئیں۔ ”تم ہو۔“

میں نے دل کو دیکھا۔ اور تب مجھے وہ بات محسوس ہوئی جس نے میرا خون ٹھنڈا کر دیا: دل کی دھڑکن اب جھیل سے نہیں، میری اپنی دھڑکن سے مل رہی تھی۔

”چھوٹی!“ بڑی مہم چینی۔ ”تم دل بن رہی ہو! جتنی دیر وہ تمہارے پاس رہے گا، تم اتنی ہی جھیل بنتی جاؤ گی۔ ایک دن تم پانی ہو جاؤ گی۔ بالکل میری طرح!“

میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور سو سال کی سمجھ۔

”تو میں اسے زیادہ دیر نہیں رکھ سکتی۔ مگر بے نام کو بھی نہیں دے سکتی۔“

”کیوں نہیں؟“ بلال کی آواز کانپ رہی تھی۔ ”دے دو، جان چھوٹے!“

”کیونکہ اگر اس نے دل کھا لیا تو اس کے پاس جھیل کی ساری یادیں ہوں گی۔ ہر نام، ہر خواہش۔ وہ انہیں کھا کر رکے گا نہیں، قصبے کی طرف جائے گا۔“

میں نے آنکھیں بند کیں اور جھیل کی یادوں میں پھر ڈوبی۔ اس بار جان بوجھ کر۔ مجھے کوئی کمزوری، کوئی دراڑ چاہیے تھی۔ اور مجھے مل گئی۔

ستارے کی آخری یاد: گرنے سے پہلے ایک چھوٹی ستارہ بچی بے نام کے سامنے کھڑی تھی۔ اور اس نے اپنا نام خود اسے دے دیا تھا۔ تحفے میں۔ اپنی مرضی سے۔ اور بے نام اسے کھانا نہ سکا تھا، کیونکہ اس کے پاس تحفوں کے لیے منہ نہیں تھا۔ وہ صرف چھین سکتا تھا، لے نہیں سکتا تھا۔ دیا ہوا اس کے حلق میں کانٹے کی طرح اٹک جاتا تھا۔

میں نے آنکھیں کھولیں۔

جھیل کا سب سے پرانا قانون میرے ذہن میں گونجا۔ وہی جو جھیل نے خود مجھے سکھایا تھا: تحفہ دینے والی کی قیمت کوئی اور نہیں دے سکتا۔

اور میں سمجھ گئی: جھیل نے یہ قانون بے نام سے بچنے کے لیے بنایا تھا۔ تحفہ وہ واحد چیز تھی جو وہ نہیں کھا سکتا تھا۔ اسی لیے جھیل تحفوں کا حساب نہیں رکھتی تھی، اور اسی لیے میرا دیا ہوا نام آسمان کو بچا گیا تھا۔

”مہم؟“ زاویار نے میرا نام لیا۔ ”تمہاری آنکھیں... نیلی ہو رہی ہیں۔“

میں نے نیچے دیکھا۔ میرے ہاتھوں کی رگیں نیلی روشنی سے چمک رہی تھیں۔ دل میری مٹھی میں دھڑک رہا تھا۔ میری دھڑکن، اس کی دھڑکن، ایک۔

بے نام قریب آ رہا تھا۔ اس کے گرد پانی غائب ہو رہا تھا، اور ستاروں کے عکس ایک ایک کر کے بجھ رہے تھے۔

”آخری بار پوچھ رہا ہوں، چھوٹی جھیل،“ بے نام نے کہا۔ ”دل دو۔ ورنہ میں لوں گا۔ اور میں لینا جانتا ہوں۔“

بلال نے ڈر کو ہنسی میں چھپانا چاہا۔ مگر اس کی ہنسی بیچ میں رک گئی۔ اس نے الجھن سے سر کھجایا: ”وہ... وہ لطیفہ کیا تھا؟“

میرا دل رک گیا۔ بے نام پہلے ہی چکھ رہا تھا۔ بالال کی چھوٹی چھوٹی ہنسی والی
یادیں پھسل رہی تھیں۔

”رکو!“ میں چلائی۔

سب رک گیا۔ آنکھیں مجھ پر جم گئیں۔

میں نے مٹھی کھولی۔ دل میری ہتھیلی پر دھڑک رہا تھا، گرم، نیلا، زندہ۔ اور
ہاتھ آگے بڑھایا۔

”تمہیں دل چاہیے؟ تو لو۔ مگر سنو، بے نام: میں اسے پھینک نہیں رہی، ہار نہیں
رہی۔ میں اسے تحفے میں دے رہی ہوں۔ اپنی آزاد مرضی سے۔ اور تحفہ...“

دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس کی نیلی روشنی میں مجھے اپنی ہی آنکھ نظر آئی۔
”تحفہ چھیننا نہیں جا سکتا۔“

بے نام کی آنکھیں پھیل گئیں۔

اور پوری جھیل سیاہ ہو گئی۔

"دل دے دو، اور میں صرف جھیل لوں گا۔ انکار کرو، تو قصبہ پی لوں گا۔ ہر خواہش، ہر نام۔ ان تین دلوں سے شروع کروں گا جو تمہارے پاس کھڑے ہیں۔"

بے نام کی آواز پانی کے نیچے دباؤ کی طرح میرے سینے پر بیٹھ گئی۔ میرے ہاتھ میں دل دھڑک رہا تھا۔ اور اب وہ میری اپنی دھڑکن سے مل کر دھڑک رہا تھا۔ "چھوٹی!" بڑی مہم چیخی۔ "تم دل بن رہی ہو! جتنی دیر وہ تمہارے پاس رہے گا، تم اتنی ہی جھیل بنتی جاؤ گی۔ ایک دن تم پانی ہو جاؤ گی۔ بالکل میری طرح!" میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ میرا آسمان، میرے دیے ہوئے نام والا۔

"مجھے لے لو،" اس نے کہا۔ "میرا نام ابھی نیا ہے، تازہ ہے۔ وہ کھا لو۔" "نہیں!" میں چلائی۔

بے نام ہزار چرائی ہوئی آوازوں میں ہنسا۔ "تمہارا نام تو پہلے ہی دیا ہوا ہے، بچے۔ دیا ہوا تحفہ میں نہیں کھا سکتا۔ اسی لیے دل مانگ رہا ہوں۔" اور اسی لمحے۔ اسی ایک جملے میں۔ مجھے سچ سمجھ آیا۔

دیا ہوا تحفہ وہ نہیں کھا سکتا۔

میں نے دل کو دیکھا۔ نیلا، گرم، دھڑکتا ہوا۔ یہ جھیل کا دل تھا۔ اور جھیل نے سو سال قیمتیں اسی لیے لی تھیں کہ بھاری ہو جائے، اتنی بھاری کہ بے نام کے سینے پر بیٹھ کر اسے دبائے رکھے۔ مگر آسمان کی پکار نے جھیل کو جگا دیا تھا۔ اور جاگی ہوئی چیز ہلکی ہوتی ہے۔

"زاویار،" میں نے آہستہ کہا، "ستاروں کے مسافر کیا کہتے تھے؟ جو ستارہ اپنا نام بھول جائے..."

"وہ سمجھ جاتا ہے،" زاویار نے کہا۔ اس کی گرفت میرے ہاتھ پر سخت تھی۔
"اور جس کا نام ہو؟" میں نے پوچھا۔

بڑی مہم کی آنکھیں پھیل گئیں۔ "جس کا نام ہو... وہ بندھا ہوتا ہے۔ اس کی حد ہوتی ہے۔ چھوٹی۔ تم کیا سوچ رہی ہو؟"

میں خلا کی طرف مڑی۔ وہ دو آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔ خلا، جو کبھی نہیں بھرتا۔

"تم نے سب کے نام کھائے،" میں نے کہا۔ میری آواز کانپ رہی تھی، مگر میں رکی نہیں۔ "ستاروں کے قافلے کے نام۔ تم نے انہیں اس لیے کھایا کیونکہ تمہارا اپنا کوئی نام نہیں۔ تم بے نام ہو۔"

خلا ساکت ہو گیا۔

"تو سنو،" میں نے کہا۔ "میں تمہیں نام دیتی ہوں۔"

"نہیں!" بڑی مہم چیخی۔ "نام دینا تحفہ ہے۔ وہ اسے بھی۔"

"وہ نام نہیں کھا سکتا،" میں نے کہا۔ "کیونکہ نام دینا قبضہ نہیں۔ نام دینا حد باندھنا ہے۔ جس کا نام ہو، اسے بلایا جا سکتا ہے۔ اور جسے بلایا جا سکے... اسے روکا بھی جا سکتا ہے۔"

میں نے گہرا سانس لیا، اور پوری جھیل کو سناتے ہوئے کہا:

"آج سے تمہارا نام ہے۔ تنہا۔ کیونکہ جو سب کچھ کھالے، وہ آخر میں اکیلا رہ جاتا ہے۔"

خلا کا نپا۔ وہ دو آنکھیں پہلی بار جھپکیں۔ جیسے کسی نے انہیں پہلی بار دیکھا ہو۔

"تنہا..." خلا نے دہرایا۔ میری آواز میں نہیں، اپنی آواز میں۔ پہلی بار اس کی اپنی آواز تھی۔ چھوٹی، خالی، ڈری ہوئی۔ "مجھے... بلایا... گیا..."

"ہاں،" میں نے کہا۔ "اور اب تمہاری حد ہے۔ تم صرف اسی کو چھو سکتے ہو جو اپنا نام بھول جائے۔ اور میں وعدہ کرتی ہوں۔ میں تمہارا نام یاد رکھوں گی۔ تاکہ تم دوبارہ بے نام نہ ہو جاؤ۔"

"کیوں؟" تنہا نے پوچھا۔ "کیوں یاد رکھو گی؟"

"کیونکہ بھولا ہوا نام سب سے خطرناک چیز ہوتی ہے،" میں نے کہا۔

اسی لمحے میں نے دل کو دونوں ہاتھوں میں اٹھایا۔ اور جھیل کی طرف بڑھایا۔

"یہ دل تمہارا تھا، جھیل،" میں نے کہا۔ "میں صرف امانت دار تھی۔ اور امانت... لوٹائی جاتی ہے۔ تحفے کے طور پر نہیں۔ حق کے طور پر۔"

میں نے دل پانی پر رکھا۔

پانی نے اسے لیا۔ آہستہ، شکر گزار، جیسے کوئی سوئی ہوئی ماں اپنے بچے کو سینے سے لگائے۔ اور جیسے ہی دل جھیل میں اترتا، میری دھڑکن اس سے الگ ہوتی۔ جیسے کوئی ہاتھ چھوٹے۔ میں پھر سے صرف مہم تھی۔ چھوٹی مہم۔

اور جھیل۔ جھیل بدل گئی۔

کیونکہ اس دل میں اب صرف چھینی ہوئی قیمتیں نہیں تھیں۔ اس میں چار نام تھے۔ میرے، زاویار کے، بلال کے، اور آسمان کے۔ دیے ہوئے نام۔ اور دیے ہوئے نام چھینی ہوئی یادوں سے ہزار گنا بھاری ہوتے ہیں۔

جھیل بھاری ہوئی۔ اتنی بھاری کہ پہاڑ بھی ہل گئے۔ اور وہ بھاری پانی تنہا پر بیٹھ گیا۔ نرمی سے، مگر اٹل۔

سیاہ دائرہ ڈوبنے لگا۔ وہ دو آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اور ڈوبتے ڈوبتے، تنہا نے
آخری بار کہا۔ اپنی چھوٹی سی آوازیں:

"یادو... رکھنا..."

"یاد رکھوں گی،" میں نے وعدہ کیا۔

پانی پر سکون ہوا۔ چاندی کی سطح پر چاند اتر آیا۔ جھیل سو گئی۔ اس بار اتنی
گہری نیند کہ سو سال تک کوئی اسے جگانہ سکے۔

میں نے چھپڑ کر دیکھا۔ بڑی مہم مسکرا رہی تھی۔ اور اس کا چہرہ دھند میں
گھل رہا تھا۔

"اب تمہیں میری ضرورت نہیں،" اس نے کہا۔ "وہ مستقبل جہاں تم پانی
بنتیں... وہ اب کبھی نہیں آئے گا۔"

"تم کہاں جاؤ گی؟" میری آنکھوں میں آنسو تھے۔

"جہاں سب اچھے مستقبل جاتے ہیں،" اس نے کہا۔ "یادوں میں۔" اور وہ
صبح کی دھند بن کر اڑ گئی۔

بلال نے تھرماس اٹھایا۔ جواب بھی اس کے سینے سے لگا تھا۔ اور کہا: "تو... ہم نے ایک بھوکے خلا کو نام دے کر سلا دیا؟" اس نے تھرماس کا ڈھکن کھولا۔ "اس پر تو چائے بنتی ہے۔"

ہم سب ہنس پڑے۔ وہ ہنسی جو ڈر کے بعد آتی ہے، اور سب سے میٹھی ہوتی ہے۔

زاویار نے میرا ہاتھ پکڑا۔ "چلیں گھر۔ امی نے کہا تھا اندھیرے سے پہلے۔"

"اندھیرا تو کب کا ہو چکا،" میں نے کہا۔

"تو امی ڈائیں گی،" زاویار نے کندھے اچکائے۔ "مگر آج ڈانٹ بھی میٹھی لگے گی۔"

آسمان ہمارے ساتھ چلا۔ کیونکہ اس کا نام دیا ہوا تھا، اور دیا ہوا تحفہ... اب گھر تھا۔

ہم پہاڑ سے اتر رہے تھے جب میں نے پیچھے مڑ کر آخری بار جھیل کو دیکھا۔ چاندنی میں وہ نیلی چادر کی طرح سو رہی تھی۔ پر امن۔ بھاری۔ محفوظ۔

مگر اس رات، گھر پہنچ کر، میں نے آسمان پر ایک نیا ستارہ ٹمٹماتے دیکھا۔ بالکل اس سمت جہاں ہمارے پہاڑ نہیں تھے۔

اور میں نے سرگوشی میں کہا:
"کہیں دور، کسی اور پہاڑ کے چمچے، ایک اور نیلی جھیل جاگ رہی ہے۔"
آسمان نے میری طرف دیکھا اور مسکرایا۔
"مگر یہ کہانی،" اس نے کہا، "کسی اور دن کی ہے۔"

--- ختم شد ---

یہ کتاب NazmHub پر مفت پڑھنے کے لیے شائع ہوئی — nazmhub.pages.dev